محشرِ خیال

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

مرکزی پبلیکیشنز

محشرِ خیال

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

احمد علی برقی اعظمی صاحب کے دوسرے مجموعہ شعر ''محشر خیال'' پر اظہار خیال کرنا میرے لئے باعث افتخار ہے۔ برقی میرے رفیق کار ہیں اور میں نے زبان اور فن شعر کی کئی باریکیاں ان سے سیکھی ہیں۔
محشر خیال غزلیات، یادرفتگاں اور کچھ فارسی غزلیات کے منظوم اردو تراجم پر مشتمل ایسا مجموعہ ہے جو تخلیق کار کی بے ساختگی، فنی پختگی، معنوی تہہ داری، تغزل اور تنوع کی بہترین مثالیں پیش کرتا ہے۔
برقی نے ہر موضوع، بے شمار شخصیات اور مشاہیر اردو و فارسی کے تعلق سے ایک طرح کی منظوم اینتھالوجی لکھی ہے اور ان کا یہ سفر جاری ہے۔ ایک کہنہ مشق اور نابغۂ روزگار والد کی صحبت میں نشونما پا کر انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کی خارجی خدمات میں شعبۂ فارسی کی ۳۳ برس تک تزئین کاری کی ہے۔ ایران کے علمی اور ادبی حلقوں میں اُنہیں کئی بار پذیرائی ملی ہے۔ برقی روایت اور تجدد پرستی کا ایک حسین امتزاج ہیں۔ ان کے ہاں اساتذہ کے فن کا اثر اور نئے مزاج کی چمک ہے جس کی وجہ سے یہ معاصرین میں بیحد مقبول ہیں۔
یہ اَن گِنت انعامات واور اکرامات حاصل کر چکے ہیں لیکن پھر بھی دنیائے ادب ابھی تک ان کی خدمات کو پہچاننے میں بُخل کرتی نظر آ رہی ہے۔ ان کی شعری تخلیقات میں Felt Thought کی چبھن ہے جسے انگریزی شاعری کے ناقدین نے فن کی معراج کا نام دیا ہے۔
ان کی دیانت داری، سادہ لوحی اور گہرائی انہیں ممتازوں میں ممتاز تر کرتی ہے۔

فیاض شہریار ڈائریکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو

احمد علی برقی صاحب میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ ان کے شخصی اوصاف کے ساتھ ساتھ، میں ان کی جودتِ طبع کا بھی قائل ہوں۔ ان کی طبیعت ہمیشہ حاضر رہتی ہے اور کسی بھی خیال یا تجربے کو نظم کرنے میں اُنھیں ذرا بھی وقت نہیں لگتا۔ شعر یوں کہتے ہیں جیسے باتیں کر رہے ہوں۔ احمد علی برقی صاحب کا مسودہ ''محشرِ خیال'' اپنی وسعت اور رنگارنگی کے لحاظ سے واقعی ایک محشرستان ہے۔ وہ بلا کی خلاقی کے مالک ہیں۔ اشخاص ہوں یا واقعات وہ سب سے یکساں شغف رکھتے ہیں۔ بدیہہ گوئی کا ملکہ ان کی طبیعت میں حیرت انگیز ہی کہہ سکتے ہیں۔ وہ چلتے پھرتے شعر کہہ لیتے ہیں اور ہمیں اُن کُہنہ مشق، زبان و بیان پر گرفت رکھنے والے استاد شاعروں کی یاد دلاتے ہیں جو موضوع اور مسئلے کی قید سے یکسر آزاد تھے اور کسی بھی تجربے کو اپنا شعری اور تخلیقی تجربہ بنا سکتے تھے۔ ان کے اس مجموعے میں مضامین کی جیسی کثرت دکھائی دیتی ہے، اُن کے ہم عصر شاعروں کے یہاں کم ہی نظر آئے گی۔ دعا ہے کہ ان کی اس کتاب کو قبولیت حاصل ہو۔

پروفیسر شمیم حنفی

مرکزی پبلیکیشنز
MARKAZI PUBLICATIONS
R-373/3, Jogabai Ext., Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025
Mob: 9811794822 / 21, E-mail: markazipublication@gmail.com

ISBN 9788194074960

میرے پیش نظر محب مکرم جناب ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کا دوسرا شعری مجموعہ بعنوان "محشر خیال" موجود ہے مجھ کندہ ء ناتراش کی بساط نہیں کہ ایک عبقری دماغ کثیر الجہات ماہر لسانیات اور فاتح القلوب شخصیت پر دو حرف ہی حیطہء تحریر میں لا سکوں۔ میرے صریر خامہ میں اگر فطرت صور اسرافیل پیدا کر دے تو ممکن ہے اسکا قصد کر سکوں اور اس بلبل ہزار داستاں پر اپنی کم مایہ و بے قیمت رائے کا اظہار کر سکوں ورنہ اسکا ارادہ بجز سعی لا حاصل کچھ نہ ہوگا۔

درحقیقت احمد علی برقی ایک عہد ساز شخصیت کا نام ہے آپ کی تالیف آئینہ خانۂ لفظ و معارف ہے۔ آپ کے علوم و فنون اور تفہیم کی کوئی حد متعین نہیں کی جا سکتی حیرت و حسرت کی آماجگاہوں سے لے کر جمال آفرینی کے دلکش اور سحر انگیز بام و دریچوں اور اس کے زیر سایہ پیدا ہونے والی دلفریبی و سرمستی و سرشاری آپکا شعری ہدف ہے۔ آپ کے بے نظیر انداز تخیل اور کلاسیکل انداز تحریر میں اقبال کی فکر انگیزی بھی ملتی ہے اور اصغر کی سی لطافت بیاں بھی پائی جاتی ہے۔ آپ کا اسلوب سابقہ روایت شعری سے مختلف نہیں اور نہ ہی آپ جدیدیت کے اصطلاحی نمائندہ ہیں بلکہ فی الحقیقت میری رائے میں آپ محاکات و موضوعات کی صورت گری کے مدت دراز سے بے تاج بادشاہ ہیں۔

مظفر احمد مظفر، لندن (یو، کے)

احمد علی برقی اعظمی اسم با مسمیٰ ہیں۔ وہ برق رفتاری سے شعر بھی کہتے ہیں اور نئی برق تجلی سے قاری کو روشناس بھی کرتے ہیں۔ اردو میں برقی کی طرح ارتجالاً شعر کہنے والے بہت کم لوگ ہوں گے۔ ان کی بدیہہ گوئی یقیناً قابل رشک ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ زود گوئی کے باوجود ان کا موضوعاتی دائرہ محدود اور مختصر نہیں بلکہ متنوع اور مختلف ہے۔ ان کے موضوعاتی مطاف میں آج کے مسائل، معاملات اور متعلقات بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر ان کی شاعری میں معاصر عہد کے وہ مسائل بھی ہیں جن کا تعلق انسانی حیات ماحولیات سائنس اور جدید ٹیکنالوجی سے ہے۔ ان کے یہاں شاعری اور سائنس کی مارفولوجی کا اشتراک قابل داد ہے۔ انھوں نے بہت سے خوبصورت استعارے اور تشبیہات آج کی سائنس ٹیکنالوجی خاص طور پر نباتات سے لیے ہیں اور انھیں شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے احمد علی برقی کا جہانِ شعر بہت ہی وسیع اور بسیط ہے۔ کوئی بھی موضوع ہو احمد علی برقی اس میں اپنی قدرت کلامی اور حسن بیان کا جوہر ضرور دکھاتے ہیں۔ انھیں محال کو کمال میں بدلنے کا ہنر آتا ہے۔
جس کی وجہ سے ان کی شاعری کی کیفیت دو آتشہ ہوگئی ہے۔ اپنی بے پناہ تخلیقی قوت اور لسانی ندرت کے باجود معاصر شعری منظر نامے میں برقی کو وہ مقام اور مرتبہ حاصل نہیں ہے یقیناً یہ ایک طرح سے ادبی بددیانتی ہے کسی بھی جینوئن فنکار کو اس طرح نظر انداز کرنا صحت مند تنقیدی روایت نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے ناقدین کا فرض بنتا ہے کہ برقی کو تنقیدی حوالوں میں ضرور شامل کریں کیونکہ برقی کا جہانِ شعر نہ صرف ہمیں بہت سارے شیڈ سے روشناس کراتا ہے بلکہ اردو اور فارسی زبان کی خوبصورت آمیزش سے ہمارے مشامِ جاں کو معطر بھی کرتا ہے۔ اور زبان کے نئے ذائقے سے ہمیں لطف اندوز بھی کرتا ہے۔ **حقانی القاسمی**

محشرِ خیال

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

ناشر
مرکزی پبلیکیشنز

© جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	محشر خیال
شاعر	:	ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی
ناشر	:	مرکزی پبلی کیشنز نئی دہلی
قیمت	:	252
صفحات	:	464
تعداد	:	500
مطبع	:	گلوبل ٹریڈنگ کمپنی نئی دہلی
کمپوزنگ	:	نفیس الرحمٰن
سن اشاعت	:	2019
رابطہ کا پتہ	:	A-122, 3rd Floor Street No. 4, Johri Farm Jamia Nagar, New Delhi -110025 E-mail : aabarqi@gmail.com
ملنے کا پتہ	:	غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی۔۱۱۰۰۱۳

Name of the Book : **Mahshar-e-Khayal**

By: Dr. Ahmad Ali Barqi Azmi

Pages: 464 Rs. 252 Size: 23x36/16

ISBN: 978-81-940749-6-0

Printed & Published By:

Markazi Publicatios

E-mail : markazipublication@gmail.com

Mob. 9811794822 / 21

انتساب

برقیؔ کا ہے جو دوسرا مجموعۂ کلام
ہے برقیؔ اعظمی و وحیدالنساء کے نام
تھے خضر راہ جس کے سدا اُس کے والدین
یہ محشرِ خیال اُنہیں کا ہے فیضِ عام

اور

اپنے محسن و مربی محترم فیاض شہریار ڈائرکٹر جنرل
آل انڈیا ریڈیو کے نام

کر رہا ہوں شعری مجموعہ یہ نذر شہریار
جس سے برقیؔ اعظمی کا ہے عیاں سوز دروں

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی

مشمولات

احمد علی برقی اعظمی: ایک تعارف	بقلم خود	6
ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی: ایک زود گو اور قادر الکلام سخنور	پروفیسر شمیم حنفی	11
احمد علی برقی اعظمی ایک قادر الکلام اور صاحب طرز سخنور	فیاض شہریار	12
عہد حاضر کا ایک برق رفتار سخنور: احمد علی برقی اعظمی	حقانی القاسمی	14
محشرِ خیال (ایک گوہر ضیا بار)	امین بنجارا	16
ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کی موضوعاتی نظموں کا جائزہ	نقشبند قمر نقوی بخاری	19
اندازِ بیاں اور..........	ایم زیڈ کنول، لاہور	33
بلبلِ ہزار داستاں	مظفر احمد مظفر	43
فکرِ معتدل کا علمبردار شاعر ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی	عزیز بلگامی	47
روح سخن سے محشرِ خیال تک	سید وحید القادری عارف	50
ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کی شعری وفکری جہات	ڈاکٹر محمد یحییٰ صبا	54
ایک برق رفتار شاعر	ڈاکٹر جی۔آر کنول	65

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی......ایک پیاری شخصیت، ایک پیارا شاعر	سہیل انجم	67
قلبی واردات اور عصری رُجحانات کے شاعر ڈاکٹر احمد برقی اعظمی	ڈاکٹر مجیب شہزرؔ	72
برقیؔ اعظمی اور اُن کی قادر الکلامی	محمد ولی اللہ ولیؔ	77
ایک منظوم تعارف	احمد علی برقیؔ اعظمی	83
حمد و نعت		87
غزلیات		97
فارسی غزلوں کے منظوم اردو تراجم و فارسی کلام		379
یادِ رفتگاں		405
موضوعاتی نظمیں		445

احمد علی برقی اعظمی: ایک تعارف

بقلم خود

میں احمد علی برقیؔ اعظمی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۴ کو شہر اعظم گڑھ (یو۔ پی) کے محلہ باز بہادر میں پیدا ہوا۔ میں درجہ پنجم تک مدرسہ اسلامیہ باغ میر پیٹو، محلہ آصف گنج، شہر اعظم گڑھ کا طالبعلم رہا، بعد ازآں شبلی ہائر سیکینڈری اسکول سے دسویں کلاس کا امتحان پاس کرنے کے بعد انٹرمیڈیٹ کلاس سے لے کر ایم۔ اے اُردو تک شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ کا طالب علم رہا۔ میں نے ۱۹۶۹ میں ہائی اسکول، ۱۹۷۱ میں انٹرمیڈیٹ، ۱۹۷۳ میں بی۔ اے اور ۱۹۷۵ میں ایم۔ اے اُردو کی سند حاصل کی اور شبلی کالج سے ہی ۱۹۷۶ء میں بی۔ ایڈ کیا۔

بعد ازآں مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۱۹۷۷ء میں دہلی آ کر جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں ایم۔ اے فارسی میں داخلہ لیا اور یہاں سے ۱۹۷۹ میں ایم۔ اے فارسی کی سند حاصل کی اور بعد ازآں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی ہی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

میرے والد کا نام رحمت الٰہی اور تخلص برقؔ اعظمی تھا جو نائب رجسٹرار قانون گو کے عہدے پر فائز تھے۔ میرے والد ایک صاحب طرز اور قادر الکلام استادِ سخن تھے جنہیں جانشینِ داغؔ حضرت نوحؔ ناروی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ میرے بچپن کا بیشتر حصہ والد

محترم کے سایۂ عاطفت میں گزرا۔ مجھے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بیشتر وقت والد صاحب کے فیضِ صحبت میں گزرتا تھا جس سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا اور آج میں جو کچھ ہوں انہیں کا علمی، قلمی اور روحانی تصرف ہے۔ میرا اصلی نام احمد علی اور تخلص والد کے تخلص برقؔ کی مناسبت سے برقیؔ اعظمی ہے۔ والد صاحب کے فیضِ صحبت کی وجہ سے شعری اور ادبی ذوق کی نشو ونما بچپن میں ہوگئی تھی جو بفضلِ خدا اب تک جاری و ساری ہے۔ والد صاحب کے ساتھ مقامی طرحی نشستوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتا رہتا تھا۔ اس وجہ سے تقریباً ۱۵ سال کی عمر سے طبع آزمائی کرنے لگا۔ ادبی ذوق کا نقطۂ آغاز والدِ محترم کا فیضِ صحبت رہا اور میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا انھیں کا فیضانِ نظر اور روحانی تصرف ہے۔ اصنافِ ادب میں غزل میری محبوب ترین صنفِ سخن ہے۔ غزل سے قطع نظر مجھے موضوعاتی نظمیں لکھنے کا ۲۰۰۳ء سے ۲۰۰۹ء تک کافی شوق رہا اور میں نے اس عرصہ میں ماحولیات، سائنس، اور مختلف عالمی دنوں کی مناسبت سے بہت کچھ لکھا جو ۶ سال تک مسلسل ہر ماہ ایک مقامی میگزین ماہنامہ ''سائنس'' میں شائع ہوتا رہا اور اتنی نظمیں لکھ ڈالیں کی ایک مستقل شعری مجموعہ ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے ''یادِ رفتگاں'' سے خاصی دلچسپی ہے چنانچہ میں بیشتر شعرا، ادیبوں اور فنکاروں کے یومِ وفات اور یوم تولد کی مناسبت سے اکثر و بیشتر لکھتا رہتا ہوں۔ اس سلسلے میں نے حضرت امیر خسروؔ، ولیؔ دکنی، میرؔ، غالبؔ، حالیؔ، شبلیؔ، سر سیّد، احمد فرازؔ، فیضؔ، پروینؔ شاکر، ناصر کاظمیؔ، مظفرؔ وارثی، شہریارؔ، بابائے اُردو مولوی عبدالحق، ابن انشا، جگرؔ، شکیلؔ بدایونی، مجروحؔ سلطانپوری، مہدی حسن، صادقین، مقبول فدا حسین وغیرہ پر بہت سی موضوعاتی نظمیں لکھی ہیں جن کا بھی ایک مجموعہ مرتب ہوسکتا ہے۔ میں عملی طور سے میڈیا سے وابستہ ہوں اور ۱۹۸۳ء سے آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی سے وابستہ تھا اور بحیثیت انچارج شعبۂ فارسی ۳۳ سال کی خدمات کے بعد ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ کو ملازمت سے

سبکدوش ہوگیا اور فی الحال عارضی طور پر اسی شعبے سے وابستہ ہوں۔

فیضؔ، ساحرؔ، مجروحؔ، جگر، حسرتؔ، فانیؔ، پروین شاکر، اور ناصر کاظمیؔ وغیرہ میرے پسندیدہ شعرا ہیں۔ ادیبوں میں سرسید احمد خاں اور شبلی نعمانی سے بیحد لگاؤ ہے۔ میں اُردو ویب سائٹس اور فیس بک پر بہت فعال ہوں اور فیس بک پر میری ۴۰۰۰ سے زائد غزلیں اور نظمیں البم کی شکل میں موجود ہیں۔

موجودہ دور میں ادب اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے اور اس کی توسیع اور ترویج کے امکانات روشن ہیں۔ معاصرانہ چشمک اور گروہ بندی فروغ زبان وادب کی راہ میں سدِّ راہ ہیں۔ سود وزیاں سے بے نیاز ہو کر اگر ادبی تخلیق کی جائے اور اس میں خلوص بھی کارفرما ہو تو فروغِ ادب کے امکانات مزید روشن ہو سکتے ہیں۔ میں اپنی خوئے بے نیازی کی وجہ سے گوشہ نشین رہ کر اپنے ادبی اور شعری ذوق کی تسکین کے لئے انٹرنیٹ اور دیگر وسائلِ ترسیل و ابلاغ کے وسیلے سے سرگرمِ عمل ہوں۔ میں اُردو کی بیشتر ویب سائٹس اور اور فیس بک کے بیشمار فورمز سے وابستہ ہوں۔ مجھے خوشامد پسندی اور زمانہ سازی نہیں آتی اس لئے مقامی سطح پر غیر معروف ہوں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، غزل میری محبوب صنف سخن ہے۔ میرے اسلوبِ سخن پر غیر شعوری طور سے غزلِ مسلسل کا رنگ حاوی ہے۔ گویا میری بیشتر غزلوں میں جیسا کہ بعض احباب نے اس کی طرف اشارہ کیا، غزل کے قالب میں نظم یا مثنوی کا گمان ہوتا ہے جو بعض احباب کی نظر میں محبوب اور بعض لوگوں کے خیال میں معیوب ہے۔ میرا شعورِ فکر وفن میرے ضمیر کی آواز ہے۔ میری غزلیں داخلی تجربات ومشاہدات کا وسیلہ اظہار ہونے کے ساتھ ساتھ بقول جناب ملک زادہ منظور احمد صاحب ''حدیثِ حسن بھی ہیں اور حکایتِ روزگار بھی''۔ میں جس ماحول کا پروردہ ہوں میری شاعری اس کے نشیب وفراز اور ناہمواریوں اور اخلاقی اقدار

کے زوال کی عکاس ہے۔ میں جو کچھ اپنے اردگرد دیکھتا یا محسوس کرتا ہوں اسے موضوعِ سخن بنانا اپنا اخلاقی اور سماجی فریضہ سمجھتا ہوں جس کے نتیجے میں میری بیشتر شعری تخلیقات اجتماعی شعور کی بازگشت کی آئینہ دار ہیں۔ میں کلاسیکی روایات کا پاسدار ہونے کے ساتھ ساتھ جدید عصری میلانات و رجحانات کو بھی موضوعِ سخن بنانے سے گریز نہیں کرتا۔ حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں بیدار مغز سخنور اور قلمکار جس ذہنی کرب کا احساس کرتے ہیں ان کی تخلیقات میں شعوری یا غیر شعوری طور سے اس کا اظہار ایک فطری اور ناگزیر امر ہے۔

چنانچہ......

ہیں مرے اشعار عصری کرب کے آئینہ دار
قلبِ مضطر ہے مرا سوزِ دروں سے بیقرار
آپ پر ہوں گے اثر انداز جو بے اختیار
میری غزلوں میں ملیں گے شعر ایسے بے شمار
صفحۂ قرطاس پر کرتا ہوں اس کو منتقل
داستانِ زندگی ہے میری برقیؔ دلفگار

میرا پہلا شعری مجموعہ روح سخن ۲۰۱۳ میں شایع ہوا۔ محشر خیال میرا دوسرا شعری مجموعہ ہے جس کی اشاعت کے لئے قومی کونسل برائے فروغ اردو کے مالی تعاون کے لئے صمیم قلب سے سپاس گذار ہوں۔ محترم پروفیسر شمیم حنفی، میرے نادیدہ قلمی دوست مظفر احمد مظفر مقیم لندن، ایم زیڈ کنول، چیف ایگزیکٹو جگنو انٹرنیشنل لاہور، محترم جی آر کنول، صدر حلقۂ تشنگان ادب دہلی، نقشبند قمر نقوی بخاری (امریکا) جناب سہیل انجم اور ڈاکٹر محمد یحییٰ صبا، ڈاکٹر مجیب شہزر، محمد ولی اللہ ولی انچارج شعبۂ فارسی آل انڈیا ریڈیو، عہد حاضر کے ممتاز اور بیدار مغز ادیب و ناقد حقانی القاسمی، جناب وحید القادری عارف مقیم جدہ، سعودی عرب، امین بنجارا، صدر پروفیسر جگن ناتھ آزاد

فاؤنڈیشن وصدر جموں وکشمیر اردو گلڈ، جناب عزیز بلگامی ''مدیر فکروفن شعروسخن'' سیدھی بات ٹی وی چینل کے تاثرات میرے شعری مجموعے کے زینت ہیں جس کے لئے تہِ دل سے ان کا ممنون ہوں۔ محترم فیاض شہریار، ڈائیریکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو کی شفقت اور تشویق بھی میرے لئے مشعلِ راہ اور سرمایۂ حیات ہے جس کے لئے ان کا بھی صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔ محبی عبدالحی خان نائب مدیر ''اردو دنیا'' قومی کونسل برائے فروغ اردو، اور عزیزم وسیم اقبال کے مفید مشوروں اور برقی نوازی کے لئے ان کا بھی صمیم قلب سے شکر گذار ہوں اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی میں میرے ہمکاروں جناب ڈاکٹر نعیم الدین، شمش شیروانی، محمود عالم ملک اور محترم عارف حسن کاظمی کی تشویق اور نوازشوں کے لئے ان کا بھی تہِ دل سے سپاس گزار ہوں۔ سوشل میڈیا خصوصاً فیس بک پر موجود میرے بیشمار احباب کی پذیرائی اور برقی نوازی بھی میرے اشہبِ قلم کی جولانیوں کے لئے مہمیز ہے جس کے لئے ان کا بھی ممنون ہوں۔ جناب نفیس الرحمن، عبدالرحمن قریشی اور مکرمی فیروز اختر قاسمی ناظم مرکزی پبلی کیشنز کا بھی اس شعری مجموعے کی سیٹنگ اور اشاعت کے لئے شکر گزار ہوں۔

احمد علی برقی اعظمی

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی:
ایک زود گو اور قادرالکلام سخنور

احمد علی برقیؔ صاحب میرے پرانے کرم فرما ہیں۔ان کے شخصی اوصاف کے ساتھ ساتھ، میں ان کی جودتِ طبع کا بھی قائل ہوں۔ان کی طبیعت ہمیشہ حاضر رہتی ہے اور کسی بھی خیال یا تجربے کو نظم کرنے میں اُنھیں ذرا بھی وقت نہیں لگتا۔شعر یوں کہتے ہیں جیسے باتیں کر رہے ہوں۔احمد علی برقیؔ صاحب کا مسودہ ''محشرِ خیال'' اپنی وسعت اور رنگا رنگی کے لحاظ سے واقعی ایک محشرستان ہے۔وہ بلا کی خلاقی کے مالک ہیں۔اشخاص ہوں یا واقعات وہ سب سے یکساں شغف رکھتے ہیں۔بدیہہ گوئی کا ملکہ ان کی طبیعت میں حیرت انگیز ہی کہہ سکتے ہیں۔وہ چلتے پھرتے شعر کہہ لیتے ہیں اور ہمیں اُن کُہنہ مشق، زبان و بیان پر گرفت رکھنے والے استاد شاعروں کی یاد دلاتے ہیں جو موضوع اور مسئلے کی قید سے یکسر آزاد تھے اور کسی بھی تجربے کو اپنا شعری اور تخلیقی تجربہ بنا سکتے تھے۔ان کے اس مجموعے میں مضامین کی جیسی کثرت دکھائی دیتی ہے، اُن کے ہم عصر شاعروں کے یہاں کم ہی نظر آئے گی۔دعا ہے کہ ان کی اس کتاب کو قبولیت حاصل ہو۔

پروفیسر شمیم حنفی

احمد علی برقیؔ اعظمی

ایک قادر الکلام اور صاحب طرز سخنور

احمد علی برقیؔ اعظمی صاحب کے دوسرے مجموعہ شعر ''محشرِ خیال'' پر اظہارِ خیال کرنا میرے لئے باعث افتخار ہے۔ برقیؔ میرے رفیق کار ہیں اور میں نے زبان اور فن شعر کی کئی باریکیاں ان سے سیکھی ہیں۔

محشر خیال غزلیات، یادِ رفتگاں اور کچھ فارسی غزلیات کے منظوم اردو تراجم پر مشتمل ایسا مجموعہ ہے جو تخلیق کار کی بے ساختگی، فنی پختگی، معنوی تہہ داری، تغزل اور تنوع کی بہترین مثالیں پیش کرتا ہے۔

برقیؔ نے ہر موضوع، بے شمار شخصیات اور مشاہیر اردو و فارسی کے تعلق سے ایک طرح کی منظوم اینتھالوجی لکھی ہے اور ان کا یہ سفر جاری ہے۔ ایک کہنہ مشق اور نابغۂ روزگار والد کی صحبت میں نشونما پاکر انہوں نے آل انڈیا ریڈیو کی خارجی خدمات میں شعبۂ فارسی کی ۳۳

برس تک تزئین کاری کی ہے۔ ایران کے علمی اور ادبی حلقوں میں اُنہیں کئی بار پذیرائی ملی ہے۔ برقیؔ روایت اور تجدد پرستی کا ایک حسین امتزاج ہیں۔ ان کے ہاں اساتذہ کے فن کا اثر اور نئے مزاج کی چمک ہے جس کی وجہ سے یہ معاصرین میں بیحد مقبول ہیں۔

یہ اَن گِنت انعامات و اکرامات حاصل کر چکے ہیں لیکن پھر بھی دنیائے ادب ابھی تک ان کی خدمات کو پہچاننے میں بُخل کرتی نظر آ رہی ہے۔ ان کی شعری تخلیقات میں Felt Thought کی چبھن ہے جسے انگریزی شاعری کے ناقدین نے فن کی معراج کا نام دیا ہے۔

ان کی دیانت داری، سادہ لوحی اور گہرائی انہیں ممتازوں میں ممتاز تر کرتی ہے۔

فیاض شہریار

ڈائیریکٹر جنرل آل انڈیا ریڈیو

عہد حاضر کا ایک برق رفتار سخنور: احمد علی برقیؔ اعظمی

احمد علی برقیؔ اعظمی اسم با مسمیٰ ہیں۔ وہ برق رفتاری سے شعر بھی کہتے ہیں اور نئی برق تجلی سے قاری کو روشناس بھی کرتے ہیں۔ اردو میں برقی کی طرح ارتجالاً شعر کہنے والے بہت کم لوگ ہوں گے۔ ان کی بدیہہ گوئی یقیناً قابل رشک ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ زود گوئی کے باوجود ان کا موضوعاتی دائرہ محدود اور مختصر نہیں بلکہ متنوع اور مختلف ہے۔ ان کے موضوعاتی مطاف میں آج کے مسائل، معاملات اور متعلقات بھی شامل ہیں۔ خاص طور پر ان کی شاعری میں معاصر عہد کے وہ مسائل بھی ہیں جن کا تعلق انسانی حیات ماحولیات سائنس اور جدید ٹیکنالوجی سے ہے۔ ان کے یہاں شاعری اور سائنس کی مارفولوجی کا اشتراک قابل داد ہے۔ انھوں نے بہت سے خوبصورت استعارے اور تشبیہات آج کی سائنس ٹیکنالوجی خاص طور پر نباتات سے لیے ہیں اور انھیں شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے احمد علی برقیؔ کا جہانِ شعر بہت ہی وسیع اور بسیط ہے۔ کوئی بھی موضوع ہو احمد علی برقیؔ اس میں اپنی قدرت کلامی اور حسن بیان کا جوہر ضرور دکھاتے ہیں۔ انھیں محال کو کمال میں بدلنے کا ہنر آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری پڑھ کر مرزا محمد رفیع سودا کا

یہ شعر بے ساختہ یاد آتا ہے:

میں حضرت سودا کو سنا بولتے یارو
کیا قدرتِ الفاظ ہے کیا زورِ بیاں ہے

گو کہ یہ شاعرانہ تعلی ہے مگر برقی کے باب میں یہ حقیقت ہے۔ کیونکہ ان کی شاعری میں قدرتِ الفاظ بھی ہے اور زورِ بیاں بھی انھوں نے تخلیق اور تشکیلِ شعر میں فارسی لفظیات، تلمیحات اور ترکیبات سے بھی خاطر خواہ استفادہ کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی شاعری کی کیفیت دو آتشہ ہوگئی ہے۔ اپنی بے پناہ تخلیقی قوت اور لسانی ندرت کے باجود معاصر شعری منظرنامے میں برقی کو وہ مقام اور مرتبہ حاصل نہیں ہے یقیناً یہ ایک طرح سے ادبی بددیانتی ہے کسی بھی جینوئن فنکار کو اس طرح نظر انداز کرنا صحت مند تنقیدی روایت نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے ناقدین کا فرض بنتا ہے کہ برقیؔ کو تنقیدی حوالوں میں ضرور شامل کریں کیونکہ برقیؔ کا جہانِ شعر نہ صرف ہمیں بہت سارے شیڈ سے روشناس کراتا ہے بلکہ اردو اور فارسی زبان کی خوبصورت آمیزش سے ہمارے مشامِ جاں کو معطر بھی کرتا ہے۔ اور زبان کے نئے ذائقے سے ہمیں لطف اندوز بھی کرتا ہے۔

حقانی القاسمی، نئی دہلی

یکم دسمبر 2019

محشرِ خیال

(ایک گوہر ضیابار)

اردو زبان وادب بالخصوص اردو شاعری سے شغف رکھنے والوں کے لیے یہ امر باعث مسرت ہے کہ شعری مجموعہ ''روحِ سخن'' کے خالق اور جموں وکشمیر اردو گلڈ کی جانب سے ''فخرِ اردو ایوارڈ'' سے نوازے ہوئے بلند قد شاعر ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی صاحب اپنے دوسرے شعری مجموعے ''محشرِ خیال'' کی صورت میں اردو کے دامن میں ایک اور گوہر ضیابار کا اضافہ کر رہے ہیں۔ برقیؔ اعظمی صاحب کا شعری سفر چار ساڑھے چار دہائیوں پر محیط ہے۔ اردو کے ممتاز، معتبر اور استاد شاعر جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کے نور چشم اور انھی کے تربیت یافتہ، اعظم گڈھ کی علمی و ادبی فضاؤں کے پروردہ، شبلی نیشنل کالج اعظم گڈھ اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ، دہلی کی علمی و ادبی صحبتوں کے تراشیدہ، فارسی ادبیات کے پارکھ اور بدیہہ گوئی کے تاجدار جناب برقیؔ اعظمی اگر چاہتے تو اب تک درجن بھر شعری مجموعے ان کے کھاتے میں شامل ہو چکے ہوتے لیکن آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت، درون خانہ ذمہ داریوں اور دہلی کی مصروف ترین زندگی نے اُنھیں اتنا وقت نہیں دیا کہ وہ اپنے کلام کو ترتیب دے کر کتابی صورت میں چھپوا پاتے۔ سرکاری ملازمت کے آخری مہینوں میں انھوں نے اپنا پہلا شعری مجموعہ ترتیب دیا جو بڑے اہتمام سے

چھپا اور مقبولیت سے ہمکنار ہوا۔ اب اُن کی پوری توجہ ''محشرِ خیال'' پر مرکوز ہے جس کا ٹائپ شدہ مسودہ اس وقت میرے سامنے ہے۔

''محشرِ خیال'' کے شعری سرمائے میں وہ سب کچھ شامل ہے جو ایک عمدہ شعری مجموعے میں ہونا چاہیے۔ اور اس کے لئے برقیؔ اعظمی نے اپنی استادانہ مہارتوں اور تمام تر فنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسی شعری تخلیقات کو یکجا کیا ہے جن کا ہر ہر شعر اور ہر ایک مصرعہ پڑھنے والے کے دل میں اُتر کر اسے مسحور بنا دے۔ غزلوں، نظموں، ترجموں اور موضوعاتی فن پاروں کا ایک مکمل جہاں اس مجموعے میں آباد ہے جس کی تعمیر، ترتیب اور تزئین میں اُنھوں نے خون جگر صرف کیا ہے۔ ان کی سچی ریاضت اور فنکارانہ مہارت نے معاصر شاعری میں ان کے قد کو بلندی عطا کی ہے اور اُن کو استاد شاعر کے مرتبے پر فائز کیا ہے۔ برقیؔ اعظمی کلاسیکی روایات کے امین ہیں لیکن اُن کے ہاں جدید رنگ و آہنگ بھی موجود ہے۔ وطن عزیز کے سیاسی وسماجی حالات اور قوم وملت کی خستگی پر وہ بے حد نالاں ہیں لیکن قنوطیت کا شکار ہرگز نہیں ہیں۔ بڑی مضبوطی سے رجائیت کا دامن تھامے ہوئے وہ اپنی آواز کو امید گاہ بنائے بیٹھے ہیں کہ کوئی تو سنے گا، کوئی تو اُٹھے گا، کوئی تو آگے آئے گا، کوئی تو ایسا معاشرہ تشکیل دے گا جہاں ہر سو امن وامان ہوگا، خوشحالی ہوگی اور ترقی کے یکساں مواقع ہر کسی کو میسر ہوں گے۔ وہ بیدار دل وذہن کے مالک ہیں لیکن ماڈرن ازم کے نام پر پھیل رہی بے راہ روی کی ان کے کلام میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ ذاتی طور پر سیدھے سادے، نیک اور شریف انسان ہیں اور ان کی شاعری ان کی شخصیت کا پرتو ہے۔ وہ مشرقی تہذیب کے زبردست حامی اور علم بردار ہیں اس لیے مغرب کی بے ہودہ اور بے ڈھنگی رسومات اور اخلاق شکن روایات کا ہلکا سا شائبہ بھی اُن کے ہاں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ ''محشرِ خیال'' کے مطالعے کے دوران، میں نے اس بات کو بڑی شدت سے محسوس کیا کہ برقی اعظمی کی شاعری زندگی کی نمائندگی کرتی ہے۔ زندگی کا ہر ایک مسئلہ، ہر نکتہ، ہر رنگ اُن کے کلام میں موجود ہے۔ اُن کے اشعار

میں بشری جذبوں اور فکر و خیال کی ترجمانی ہے، حوصلوں اور امیدوں کی روانی ہے اور مضامین کی فراوانی ہے۔ اُن کے کلام میں موضوعات کی ریل پیل بھی ہے اور نت نئے رجحانات کا میل بھی۔ اِنھی خوبیوں کی وجہ سے اُن کی شاعری میں وہ کشش موجود ہے کہ پڑھنے والا اُن کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور اُن کی قدردانی اور پرستاری کو اپنے لیے فرض تصور کر لیتا ہے۔

زود گوئی اور بدیہہ گوئی میں برقیؔ اعظمی کمال کی مہارت رکھتے ہیں۔ وہ بڑی تیزی سے شعر تخلیق کرتے ہیں اور سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اُن کا ایک بھی شعر یا مصرع معیار سے نیچے آ جائے۔ اِس طرح ان کی برجستہ گوئی بھی قابلِ رشک اور قابلِ تحسین ہے۔ وہ کہیں بھی، کسی بھی حال میں، کسی بھی موضوع پر شاندار غزل یا نظم کہنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کی اُن پر خاص عنایت ہے کہ موضوع کوئی بھی ہو اُن کی زبان کا جھرنا ایک دم جاری ہو جاتا ہے اور شعروں کے سرچشمے پھوٹنے لگتے ہیں۔ اُن کی زود گوئی اور بدیہہ گوئی کے کمالات فیس بُک، یوٹیوب، انسٹاگرام، واٹس ایپ اور میسینجر پر اکثر دیکھنے کو ملتے ہیں کیونکہ اِن ابلاغی وسائل کا استعمال وہ خوب کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ''محشرِ خیال'' کا جملہ کلام سادگی و سلاست، لُطفِ زبان، اثر آفرینی، جدت طرازی، منفرد اسلوب اور ناصحانہ لب و لہجے کا مظہر ہے۔ اس شعری مجموعے کے بیسوں اشعار متذکرہ بالا فنی محاسن کے حوالوں کے طور پر، یہاں پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن میری خواہش ہے کہ برقیؔ اعظمی صاحب کے کلامِ دلپذیر کو بغیر کسی حوالے، وسیلے یا وضاحت کے قاری خود پڑھے، اپنا تاثر قائم کرے اور ان کے ادبی مقام کا تعین کرے۔

دعا گو ہوں کہ ''محشرِ خیال'' کو مقبولیت عامہ اور شہرتِ تامہ حاصل ہو آمین۔

امین بنجارا
صدر، پروفیسر جگن ناتھ آزاد فاؤنڈیشن
صدر، جموں و کشمیر اردو گلڈ
۲۶۷، جوگی گیٹ، جموں۔۱۸۰۰۰۱

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کی موضوعاتی نظموں کا جائزہ

اردو شاعری میں ''نظم'' دورِ حاضر میں رائج نہیں رہی، شعرائے اردو کا رجحان صرف غزل کے دائرے میں مقید ہو گیا ہے۔ وہ لوگ جو غزل کے حصار سے عارضی طور پر نکلتے ہیں ان کو نثری نظموں سے دلچسپی ہو جاتی ہے۔ جنھیں ابھی تک کوئی مناسب عنوان نصیب نہیں ہوا۔ موضوعاتی نظم سے وہ صنفِ سخن مراد ہے جو نظم کی شکل میں حسن و عشق کے علاوہ کسی ایک خاص موضوع سے متعلق تخلیق کی گئی ہو۔

نظم اپنے وسیع معانی میں متعدد اصنافِ سخن کا احاطہ کرتی ہے مثلاً ''واسوخت''، ''مرثیہ''، ''سلام''، ''نوحہ''، ''شہر آشوب''، یہ سب اسی خاندان نظم سے تعلق رکھتی ہیں۔ خصوصاً مرثیہ جو صرف واقعاتِ کربلا سے ہی سروکار رکھتا ہے اور موضوعاتی نظم کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ''سہرا'' بھی موضوعاتی نظم کا حصہ ہے۔

قدیم اردو ادب میں موضوعاتی نظموں کا وجود تو ضرور ہے لیکن اُن کی تعداد بہت کم اور ان کا حلقۂ اثر محدود ہے۔ مثلاً غالبؔ کی نظم جو انھوں نے شاہ ظفر کی ''دال'' کے بارے میں لکھی۔

موجودہ دور میں جو نظمیں عام طور سے لکھی جاتی ہیں، اول تو ان کی تعداد بہت کم ہے اور جو کچھ لکھی گئیں ہیں وہ حسن و عشق تک محدود ہیں۔ انہیں اس خاندان میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ اقبال کی کئی نظمیں منجملہ ''ہمالہ'' یا ''ابلیس و جبریل'' اس زمرے میں آتی ہیں۔ حفیظ جالندھری کی بھی بعض نظمیں اسی خاندان سے مماثل ہیں لیکن ان میں بھی حسن و عشق موضوع سخن ہیں جیسے ''ابھی تو میں جوان ہوں'' یا احسان دانش کی ''بیتے ہوئے دن''۔

جس ''موضوعاتی نظم'' سے اس مضمون میں بحث کی جارہی ہے اس کو جدید شاعری کی ایک قسم قرار دینا چاہئے اور اس کا سہرا ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کے سر ہے۔

موضوعاتی نظم سے مراد ہے ایک ایسی نظم جو کسی شخصیت، واقعے یا مشاہدے سے متعلق ہو اور قصیدے سے مختلف ہو۔ موضوعاتی نظم کسی ایک شخص کی ذات کے بیان پر مشتمل ہو تو اس پر قصیدے کا گمان ہونے کا امکان ہوسکتا ہے۔ لیکن قصیدہ ایک قطعاً مختلف صنفِ سخن ہے جس کے بعض خصوصی لوازمات ہیں جن کی عدم موجودگی سے قصیدہ اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔ قصیدہ اکثر کسی فرد کے بارے میں ہوتا ہے جس میں فرد کے اوصاف نہایت مبالغے کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

موضوعاتی نظم صرف فرد تک محدود نہیں ہوتی بلکہ واقعات، سانحات اور اتفاقات اس کا موضوع ہو سکتے ہیں۔ جہاں تک فرد یا شخص سے متعلق نظموں کا تعلق ہے ان میں سے بعض کو اسی قبیلے میں رکھنا نامناسب بھی نہیں بشرطیکہ کسی کی بیجا توصیف پر مبنی نہ ہوں۔

مثلاً برقی اعظمی کی یہ نظم جو شہرۂ آفاق رضا لائبریری پر ہے جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

یہ کتب خانہ ہے گنجِ شایگاں
اس لئے ہے مرجعِ دانشوراں
ہے رضاؔ کے نام سے منسوب یہ
جو سپہرِ علم پر تھے ضوفشاں
ہند میں ہے یہ وقارِ رام پور
ہیں نمایاں جس کی عظمت کے نشاں

یہ موضوعاتی نظم کی ایک واضح مثال ہے۔ دورِ جدید میں اردو ادب کو ایسے مشاہیر میسر ہیں جنھوں نے کسی نہ کسی صنفِ سخن کو اپنی جدتِ طبع سے خصوصی حیثیت عطا کی ہے اور اتنی ترقی دی کہ سرمایہ اردو ادب میں معتدبہ اضافہ ہوا، جیسے صنف دوہا میں جمیل الدین عالی، پرتو روہیلہ وغیرہ۔ اس صنف سخن کو فراز حامدی نے ''دوہا غزل'' کا خلعت عطا کر کے ایک منفرد حیثیت کا تعین کر لیا اور ایک صنف کا ادب میں اضافہ کیا۔ پنجابی صنف سخن ''ماہیا'' کو اردو ادب کا حصہ بنانے والوں میں متعدد شعرا ہیں۔ محسن بھوپالی نے ہائکو کو اردو ادب کا حصہ بنا دیا، حمایت علی شاعر نے ثلاثی کو ممتاز حیثیت عطا کی۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کا نام موضوعاتی نظم میں انفرادیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اس صنف کو ایسی وسعت اور حسن عطا کیا جو اس سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ برقیؔ اعظمی ایک باکمال شخص ہیں۔ اردو کے علاوہ فارسی کے ماہر ہونے کے باعث ان کو زبان پر ایسی قدرت حاصل ہے جو کم لوگوں کو میسر ہوتی ہے۔

کسی شہرت کی طلب سے بے نیاز، اردو ادب پر فدا، خدمتِ خلق پر قربان، برقیؔ اعظمی ایک قابلِ قدر، فعال، بے غرض اور ممتاز شاعر ہیں۔ ان کے کارناموں کی تفصیل تو ممکن نہیں لیکن یہی کام یعنی ''موضوعاتی نظم'' کی تخلیق اور اس کو اپنا خصوصی وصف قرار دینا نہایت اہم ہے۔

نظم ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں تخلیقی کام کرنے کے لئے شاعر کا نہ صرف صاحبِ فہم و فراست ہونا لازمی ہے بلکہ وسعتِ فکر، قوتِ مشاہدہ، اہلیتِ اخذ، معانی اور مشاہدہ اس کے ضروری عناصر ہیں۔ نظم میں ایک ہی موضوع ہوتا ہے اور پوری نظم میں صرف اسی ایک موضوع کے بارے میں مختلف زاویوں سے اظہار خیال کرنا آسان نہیں۔ خیال پر حدود و قیود عائد ہو جاتی ہیں، الفاظ میں تصادم کا احتمال ہوتا ہے، بیانات میں تضاد یا مماثلت سے اجتناب کرنا ہوتا ہے، زاویہ نظر کو مسلسل تبدیل کرنا ہوتا ہے اس طرح کہ تمرکز میں فرق نہ آئے، جدتِ طبع بھی نمایاں رہے اور جس موضوع پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے اس کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

غزل میں تو ہر شعر علیحدہ مضمون ادا کرتا ہے، ایک شعر کا دوسرے شعر سے مربوط ہونا ممنوع ہے لیکن نظم میں ہر شعر کا دوسرے شعر کے مفہوم سے مربوط ہونا لازم ہے۔ اگر ایک شعر کو دوسرے شعر کا فراق نصیب ہو تو نظم کا معاملہ ہی بگڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام شبیر رانا نے برقی اعظمی کی موضوعاتی نظموں کے بارے میں لکھا ہے:

> ''موضوعاتی شاعر اور اس کے پسِ پردہ کارفرما لاشعوری محرکات کا بہ نظرِ غائر جائزہ لینے سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ معاصر ادبی دور میں موضوعاتی شاعری نے ایک مضبوط اور مستحکم روایت کی صورت میں اپنی افادیت کا لوہا منوایا ہے۔ نامور پاکستانی ادیب اور نامور محسن بھوپالی کا ایک شعری مجموعہ ''موضوعاتی شاعری'' کے نام سے آج سے پندرہ برس قبل شائع ہوا تھا۔''

اس بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس صنفِ سخن میں متعدد شعرا نے طبع آزمائی کی ہے۔ برقیؔ اعظمی کی نظموں کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ ان کو دو انواعِ نظم میں اختصاص دیا جائے تا کہ دونوں اوصاف ادب کو نمایاں کیا جا سکے۔ اول وہ نظمیں جو کسی فردِ واحد یا شخص کے فن، ہُنر یا کسی خاص وصف کے اعلان یا توصیف کے پیشِ نظر تخلیق کی گئیں۔ دوم وہ نظمیں جو کسی واقعے، کسی کتاب کی اشاعت، کسی کُتب خانے کے قیام، کسی تقریب یا کسی اہم موقع کے بارے میں۔

اول الذکر مجموعۂ تخلیق کو اگرچہ ایک حد تک ''شخصی مدح'' کہا جا سکتا ہے لیکن ''مدح'' کے لئے جو صنفِ سخن مقرر ہے وہ ''قصیدہ'' ہے، جو نظم سے مختلف ہوتا ہے۔ لہذا برقیؔ اعظمی کی اس نوع کی تخلیقات کو نظم ہی کہا جائے گا۔ اور ان کو مدح بھی اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ برقیؔ کی نظموں میں وہ غلو اور تصنع نہیں جو قصیدے میں لازمی ہوتا ہے۔ ان کو ''اعتراف'' یا ''خراجِ تحسین'' کا مقام دیا جانا زیادہ مناسب ہے۔

برقیؔ اعظمی کی نظموں میں الفاظ کا حسن نمایاں ہے، جس سے ان کی نظموں میں ایسی دلکشی

پیدا ہو جاتی ہے جو ان کے بیان کو ممتاز قرار دیتی ہے۔ وہ اپنے خیال کی تصویر کشی میں نامانوس الفاظ کا سہارا نہیں لیتے، نہ ایسے دقیق الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کے مطالعے سے قاری کی قراءت میں تکلف ہونے لگے۔ بیانات میں سادگی بہت اچھی سمجھی جاتی ہے، لیکن سادگی کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس سے فصاحت اور بلاغت متاثر ہوں۔ برقؔ اعظمی کی نظموں میں زبان فصیح اور علمی ہوتی ہے۔ ان کی ایک ''شخصی موضوعاتی'' نظم سے اقتباس درج ذیل ہے:

بیادِ فیض احمد فیضؔ

فیض احمد فیضؔ کا رنگِ سخن ہے دلپذیر
جن کی عظمت کا ہے شاہد خطۂ برِ صغیر
شاعری سے ہے نمایاں اُن کی عصری حسیت
نُدرتِ فکر و نظر ہے ان کی مثلِ جوئے شیر
تھے سپہرِ شاعری پر ضوفشاں تا زندگی
وہ جہاں بھی تھے وہاں شعر و سخن کے تھے امیر
میں ہوں برقی اعظمی ان کے سخن کا قدرداں
ہے عروسِ فکر و فن بھی جن کی زلفوں کی اسیر

اس نظم کی خصوصیت یہ ہے کہ فیضؔ کے شعر و سخن کی تعریف میں برقیؔ نے زمین و آسمان کے قلابے نہیں ملائے بلکہ حقیقت بیانی سے کام لیا اور اس خوبی کے ساتھ فیضؔ کو سراہا کہ ان کے فکر و فن کی توصیف بھی ہو جائے اور بیجا تکلفات سے بھی کام نہ لیا جائے۔ انھوں نے فیضؔ کی ذات کو تعریف کا مقصد نہیں بنایا بلکہ ان کے دلپذیر رنگِ سخن کے بارے میں محققانہ انداز سے اظہارِ خیال کیا ہے۔

یہی ان کی نظموں کی خوبی ہے۔ وہ کسی کی ذات کو قصیدہ گوئی کا مورد قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کے اوصاف کو منظوم خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ ایک اور ''شخصی موضوعاتی نظم'' ہے:

نقشبند قمر نقوی کا شعر و ادب میں نہیں جواب
ایسے ادیب و شاعر ہیں اردو دنیا میں اب کمیاب
ان کا ہے منظوم حماسہ شعر و ادب کا اک شہکار
نام قمر ہے جیسے ان کا خود ہیں وہ مثلِ مہتاب
اُن کے ہے رشحاتِ قلم کی اک لمبی فہرست
جلوہ فگن ہے سپہرِ ادب پر جس کی آب و تاب

ان اشعار سے بھی واضح ہوتا ہے، انھوں نے بیجا مدح گوئی سے اجتناب کیا ہے، حقیقتِ واقعہ بیان کرنے میں انھوں نے راستی اختیار کی۔ یعنی قصیدہ نہیں تخلیق کی ہے۔ ایک اور نظم کے بھی چند اشعار قابلِ توجہ ہیں:

ابن صفی سپہر ادب کے تھے ماہتاب
اردو ادب میں جن کا نہیں ہے کوئی جواب
وہ اپنے دوستوں کے دلوں میں ہیں آج تک
ویب سایٹ ان کی کیوں نہ ہو عالم میں انتخاب
جاسوسی ناولوں میں جو ہیں ان کے شاہکار
اپنی مثال آپ ہیں وہ اور لاجواب

اس نظم میں ایک خاص بات یہ ہے کہ برقیؔ نے الفاظ بھی مضمون کی مناسبت سے استعمال کئے، ایسا کوئی جملہ اس نظم میں نہیں جس میں موضوع نظم کے متن سے خیال ذرا سا بھی جدا ہوا ہو۔

نظم کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ہر شعر مقصدِ اصلی سے اس طرح مربوط اور منسلک ہو کہ کسی موقعے پر خیال کو اپنی مسیر سے ہٹنے کا موقع نہ ملے۔ قصیدے کا ایک بڑا حصہ محض خیال آرائی پر مبنی ہوتا ہے، جب کہ نظم میں ایسا ممکن نہیں، خصوصاً برقیؔ کی نظموں میں تمرکزِ

خیال کی خوبی نہایت نمایاں ہے۔ وہ کسی شخص کو خراج عقیدت بھی پیش کرتے ہیں تو اس کے ذات کے پیشِ نظر نہیں بلکہ اس کے فن یا خصوصیات ہی کی توصیف کرتے ہیں۔ میرؔ تقی میرؔ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے کہا:

میرؔ کی شاعری میں ہے سوزِ دروں
مُنعکس جس سے ہوتا ہے حالِ زبوں
اُن کا رنگِ تغزل ہے سب سے جدا
آج بھی جس سے ملتا ہے ذہنی سکوں

اسی طرح غالبؔ کے بارے میں انھوں نے جو کچھ کہا، اس سے اقتباس درجِ ذیل ہے:

آج تک اردو ادب کے برقیؔ
محسنوں میں ہے شمارِ غالبؔ

ان کے اشعار کی سلاست خاص طور سے قابلِ ذکر ہے۔ باوجودیکہ وہ فارسی کے عالم ہیں اور ان کا ذہن اس زبان کے عیاں و نہاں سے مملو ہے، لیکن ان کی نظموں کی زبان سادہ، رواں اور ایسے الفاظ و تراکیب سے ممتاز ہے جو عام فہم بھی ہیں اور غیر فصیح بھی نہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کی نظموں میں روانی کے ساتھ ساتھ غنائیت کا بھی وجود ہے۔

یہ ان نظموں کا اجمالی جائزہ تھا جو ''شخص یا فرد'' سے متعلق ہیں۔ اگرچہ ان کا تعلق بھی خالصتاً کسی فرد کی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کے فکر و فن سے ہے۔ لیکن ان نظموں کو ''شخصی'' دائرے میں رکھنا ہی مناسب ہے۔

اُن کے دوسرے دائرہ فکر کی نظمیں وہ ہیں جن کا تعلق کسی واقعے، کسی اشاعت، کسی تقریب، یا صورتِ حال وغیرہ سے ہوتا ہے جن میں ان کی تخلیقی فعالیت، اہلیت اور قابلیت کا انعکاس زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ یہ نظمیں جس موضوع کی طرف رجوع ہوتی ہیں ان کے ساتھ پوری طرح انصاف کرنے کے علاوہ، ایک لفظی تصویر نقش کر دیتی ہیں۔ وہ موضوع نظم کی

جمالیاتی اور فنی اقدار کو نمایاں کر دیتے ہیں، اور اس خوبی کے ساتھ کہ قاری ان کا ہم خیال ہو جاتا ہے۔ یہ ان کی انفرادیت کا آئینہ دار عنصر ہے۔

ان کا اسلوب بیان منفرد ہے، ان کا طرز بیان اس قدر دلکش ہے کہ اس میں الفاظ کی عمدگی، خوبی سلاست اور انتخاب الفاظ سبھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ طبیعت کو کسی تخلیق کے لئے مجبور کرتے ہوں بلکہ ان کا وجدان ایسی شعوری کیفیت پیدا کر دیتا ہے جس سے ان کے ادب پارے وجود میں آنے کو بیتاب ہو جاتے ہیں۔ جیسے ان کے شعور سے فکر کا چشمہ اُبل پڑتا ہے، اور وہ سیلاب تخیل از خود غیر شعوری طور پر موزوں اور مناسب الفاظ کا خلعت زیب تن کر لیتا ہے۔

نذرِ مرکزِ علم وادب، بھوپال

مرکزِ علم و ادب بھوپال کا عز و وقار
اس کی تہذیبی روایت سے ہے سب پر آشکار
ہے یہ صدیوں سے مشاہیرِ ادب کی زادگاہ
بحرِ ذخارِ ادب کی تھے جو دُرِ شاہوار
اس کی عظمت میں نوابوں نے لگائے چار چاند
ہیں نوادر جن کے اب بھی باعثِ صد افتخار
بیگموں کے کارنامے بھی ہیں اس کے لازوال
ہیں درو دیوار سے اس کی جواب تک آشکار

اس نظم میں بھوپال کے بارے میں برقی اعظمی نے جس طرح اظہارِ تاثرات کیا ہے وہ اپنے بیانئے اور تناسبِ لفظی کے اعتبار سے نہایت مناسب بھی ہے اور بھوپال کی متعدد خصوصیات کا احاطہ بھی ایسے خوبصورت طرز سے ہوتا ہے کہ قاری کے ذہن میں پہلے تو تجسس کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد دلچسپی اور آخر میں توصیفی تاثر ظاہر ہو جاتا ہے۔

اہم نکتہ یہ کہ انھوں نے اس علمی مرکز کی توصیف کے لئے جو الفاظ منتخب کئے ہیں وہ نفسِ مضمون سے اس خوبی کے ساتھ ہم آہنگ ہیں کہ بات نہایت دلنشین انداز سے واضح ہوجاتی ہے۔

دبستان شعروادب لکھنو کے بارے میں ان کی ایک نظم کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

لکھنو کا حسن ہے دنیا میں فخر روزگار
جس کی تہذیبی روایت ہے نہایت شاندار
ہیں امین آباد و حضرت گنج اس کے سر کا تاج
دامنِ دل کھینچتے ہیں سب کا جو دیوانہ وار
اس کا ماضی بھی درخشاں حال بھی ہے تابناک
حکمراں اس شہر پر تھے شہرِ دل کے شہریار
آرزو ہوں، آصف الدلہ ہوں یا ہوں میرانیس
اس کو بخشا ہے نوابوں اور ادیبوں نے وقار
شہرۂ آفاق ہے اس کا دبستاں ادب
بخشے ہیں اردو ادب کو جس نے صدہا شاہکار
ہے نزاکت لکھنو کی آج بھی ضرب المثل
شوخیٔ گفتار ہے اس کا ہمیشہ سے شعار

تصوف ایک روحانی نظام

ہے تصوف ایک روحانی نظام
جاری و ساری ہے جس کا فیض عام
صوفیا ہیں علم باطن کے امیں
مطلعِ انوار ہے جن کا پیام

اس کی تعلیمات ہیں درسِ حیات
تا نہ ہوں حرص و ہوس کے ہم غلام

تصوف اسلام میں خلافتِ راشدہ کے دور میں بعض اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے وسیلے سے معرض وجود میں آیا اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے روحانی تصفیہ اور تزکیہ کا باعث رہا۔ تمام عالمِ اسلام میں ان صوفیا اور اولیائے کرام نے اسلام کے فروغ اور عوام کے کردار کی اصلاح کے لئے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ ہندوستان میں بھی ان کی بہت بڑی تعداد ہے۔ برقی اعظمی نے تصوف کے بارے میں مختصر ہی نظم لکھی لیکن ہر شعر ان کے خلوص و دیانت کا شاہد ہے۔

حیدر آباد دکن کے بارے میں ان کی ایک نظم سے اقتباس درج ذیل ہے۔

حیدر آباد دکن

حیدر آباد ہے سر چشمۂ تہذیب کُہن
جس کی عظمت کے نشاں اس کے ہیں ابنائے وطن
ضوفگن اس میں تھے ہر دور میں حکمت کے چراغ
ہے یہ تہذیب و تمدن کا تر و تازہ چمن
چار مینار ہی اس کی نہیں عظمت کا نشاں
قابلِ دید ہیں اس کے سبھی آثارِ کہن
زیبِ تاریخ ہیں اسمائے گرامی جن کے
ہے یہ صدیوں سے مشاہیر ادب کا مدفن
مجتبیٰ، مغنی و مخدوم کے افکار سے ہے
نام اس شہر کا دنیائے ادب میں روشن

تھا یہ ہر دور میں گہوارۂ اردو برقیؔ
ضوفگن آج بھی اس شہر میں ہے شمعِ سخن

اس نظم کے ہر لفظ سے حیدرآباد جلوہ فگن ہے، اور زبان و بیان کی خوبی اس پر مستزاد ہے۔ اگرچہ یہ نظم طویل نہیں ہے، اس کے باوجود برقیؔ ہر وہ ضروری بات کہہ دی ہے جس سے حیدرآباد کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکے، یا جو قابلِ ستائش رہی ہو۔ اس نظم میں بھی الفاظ کی نشست خاص طور سے قابل دید ہے۔ ''چار مینار'' کے علاوہ چند ممتاز دانشوروں کے نام بھی شامل کردئے جن سے نظم کی حیثیت میں تاریخ کا ہلکا سا رنگ آگیا۔

اسی خاندان کی ایک اور دلکش نظم۔

''ٹورنٹو سے شایع ہونے والی اردو ویب میگزین کے دس سال مکمل ہونے پر''

ہے جو انٹرنٹ پہ سرگرم عمل ''شعر و سخن''
ہو مبارک اس کے یہ دس سال کا ادبی سفر
ادبی تقریبات کی یہ سب کو دیتا ہے خبر
ہے نگاہوں میں جو اربابِ نظر کی معتبر
ہے یہ ٹورانٹو میں اردو کا سفیرِ بے نظیر
معترف خدمات کے ہیں جس کی اربابِ نظر
ادبی دنیا میں ہے جو اب مرجعِ دانشوراں
محسنِ اردو کے ہے نخلِ سعادت کا ثمر
نام ہے سردار علی، ہے کام جن کا بینظیر
ہیں جو دنیائے ادب میں سب کے منظورِ نظر

برقیؔ نے موضوعات کے انتخاب میں بھی ایک استثنائی شعور سے کام لے کر ایسے موضوعات منتخب کرتے ہیں جو نہ صرف واقعے یا مقام خوبیوں کا بیان ہی بن سکیں، بلکہ ان کی

خصوصیات سے قارئین مستفیض بھی ہو سکیں۔ ان کی ایک دلچسپ نظم ''ماحولیاتی آلودگی'' اس کی غمازی کرتی ہے جس سے ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

بھاپ کا انجن چلا تھا آج کے دن پہلی بار
چلتی ہیں ہر سو ٹرینیں اب قطار اندر قطار
مستحق ہیں داد کے سائنسداں اس کے لئے
روز کرتے ہیں نئی ایجاد کا سب انتظار
زد میں ہے تحقیق کی ان کی نظام کائنات
اُن کی استعداد پر ہے ہر کسی کو اعتبار
کر رہے ہیں جو بھی یہ انجام دیں وہ شوق سے
بس نہ ہونے دیں کبھی ماحول کو ناسازگار
ہو نہ جائے یہ گلوبل وارمنگ ___ سوہانِ روح
زندگی کا سب کی ہے ماحول پر دارومدار

اس نظم میں انھوں نے اپنے موضوع کے ساتھ پوری طرح انصاف کیا ہے۔ مشینوں کی روز افزوں ایجاد، گیسوں کا استعمال اور اسکے نتیجے میں بڑھتی ہوئی فضائی حرارت سے انسان متفکر ضرور ہے، برقیؔ اعظمی نے اس موضوع کو اپنی نظم کا مرکزی خیال بنا کر اپنے شعور کی بیداری کا ثبوت فراہم کیا ہے اور اس کو ایسی خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ساری نظم کا مطالعہ دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے اور بعض اہم نکات کی آئینہ داری کرتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں برقی کی جن موضوعاتی نظموں سے دونوں خاندانوں کی نمائندگی کرنے والے اقتباسات دئے گئے وہ ان کے کمال فن کے آئینہ دار ہیں۔ اگرچہ مزید نظموں کے متعدد اشعار ایسے ہیں جن کا یہاں تذکرہ دلچسپی خالی نہ ہوتا، لیکن مضمون زیادہ طویل ہو جاتا۔ برقیؔ اعظمی کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس

کی خوبیوں کو ایسے مناسب انداز سے نظم کرتے ہیں کہ نفس مضمون کی تصویر بن جاتی ہے اور کسی شعر سے آورد کا احساس نہیں ہوتا۔ ان کی نظموں کے اشعار جیسے ایک الہامی زنجیر بنے وارد ہو جاتے ہیں اور اس اس کے متن کے ساتھ پورا پورا انصاف ہو جاتا ہے، اس کی خوبیاں نمایاں ہو جاتی ہیں، اس کے اہم نکات سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور اس کے اوصاف کا شیشہ جھلکنے لگتا ہے۔

ان کو زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ غیر ضروری ثقیل الفاظ سے اجتناب کرنے کے باوجود ان کی نظموں میں ایسے فصیح و بلیغ الفاظ استعمال ہوتے ہیں جو اُن کی اعلیٰ لسانی اہلیت کو نمایاں کرتے ہوئے موضوع نظم کو بھی ایک ایسا گلدستۂ صد رنگ بنا دیتے ہیں جو نہ صرف عطر بیز بھی ہوتا ہے بلکہ نغمہ ریز بھی ہو جاتا ہے۔

وہ اپنی نظموں میں اردو کی فصاحت کو نہایت چابکدستی کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔ یہی ان کا کمال ہنر ہے، اور مشکل کام بھی۔ موضوعات نظم کو بہ اعتبار لفظیات وہ مناسبت عطا کرنا جو نفس مضمون سے کاملاً مطابقت رکھتی ہو ہر ایک کا کام نہیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب لفظ و بیان پر قدرت کے علاوہ خیالات کو مرکوز کرنے کی صلاحیت بھی خالق نظم کو میسر ہو، برقیؔ کو یہ صلاحیت بخوبی میسر ہے۔

وہ جب کوئی نظم لکھتے ہیں تو اس کے مرکزی خیال سے سرِ مو تجاوز نہیں کرتے، مطلع سے مقطع تک ان کی فکر ایک ایسا تسلسل قائم رکھتی ہے جسے مہکتے ہوئے پھولوں ہار سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ جیسے وہ الفاظ اور جملوں کو ایک ریشمی ڈوری میں پرو دیتے ہوں، اور اس مہارت کے ساتھ کہ اس ہار کا کوئی موتی یا پھول کسی کم و بیش کا شکار بھی نہیں ہوتا۔

قومی کونسل برائے فروغِ زبان اردو پر ان کی ایک نظم ملاحظہ فرمائیں:

مرجع اہل نظر ہے قومی اردو کونسل
نخل دانش کا ثمر ہے قومی اردو کونسل

کرتی ہے محفوظ یہ سرمایہ اردو ادب
بہتر از لعل و گہر ہے قومی اردو کونسل

اس کی بزم آرائیاں ہیں سب کی منظورِ نظر
اک ادارہ معتبر ہے قومی اردو کونسل

اس کی مطبوعات ہیں آئینہ نقد و نظر
ناشر فکر و نظر ہے قومی اردو کونسل

چل رہی ہے ساتھ اپنے وقت کی رفتار کے
کارساز دیدہ ور ہے قومی اردو کونسل

کر رہی ہے زیور تعلیم سے آراستہ
نامدار و نامور ہے قومی اردو کونسل

اردو میں یہ لا رہی ہے ایک ڈیجیٹل انقلاب
سب کی منظورِ نظر ہے قومی اردو کونسل

عہدِ نو میں ہے یہ برقی ناشر شعر و ادب
چارہ ساز و چارہ گر ہے قومی اردو کونسل

برقی اعظمی ایک نہایت باصلاحیت، صاحبِ فن اور قادرالکلام شاعر ہیں اور موضوعاتی نظم کے میدان میں ان کا مقام بہت بلند، انفرادیت کا حامل اور ممتاز ہے۔

نقشبند قمر نقوی بخاری

امریکا

اندازِ بیاں اور.........

آج برقی ہے گوش برآواز
تم بجاتے ستار آجاؤ

اردو غزل کے باوا آدم ولی دکنی نے کہا تھا۔

راہِ مضمونِ تازہ بند نہیں
تا قیامت کھلا ہے بابِ سخن

بڑے شاعر وہ نہیں جو زیادہ سے زیادہ فلسفہ بگھارتے ہیں یا مذہب کی تلقین کرتے ہیں یا سیاست کے اصول واضح کرتے ہیں بڑے شاعر وہ ہیں جو اپنے خصوصی تجربات کے متعلق بہت کچھ کہتے ہیں۔ ان کے لئے راہِ مضمونِ تازہ بند ہوتی ہے اور نہ ہی بابِ سخن کا در۔ ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن پر قدرت نے کمالِ مہربانی سے بابِ سخن کے دریوں وا کئے کہ ہر لحظہ ایک نیا مضمون، ایک نیا آہنگ لئے ان کے قلم کی رہوار پکڑے انہیں بارگاہِ سخن میں سجدۂ تعظیمی بجالانے کی دعوتِ نظارہ دیتے دکھائی دیتا ہے۔ ''روحِ سخن سے محشرِ خیال" تک اسی سجدۂ تعظیمی کی جلوہ آفرینیاں ہیں۔ عبدالحئی اسسٹنٹ ایڈیٹر، اردو دنیا، نئی دہلی ان کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''آج وہ (ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی) شاید واحد شاعر ہیں جو انٹرنیٹ اور سوشل سائنس کی مدد سے دنیا کے مختلف حصوں میں معروف و مقبول ہیں۔''

یہ بات سو فیصد درست ہے۔آپ شعر کہتے نہیں بلکہ شعر آپ پر اترتا ہے۔قدرت نے ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کو قادرالکلامی کی دولتِ خداداد سے اس فیاضی سے نوازا ہے کہ اردو و فارسی دونوں زبانوں پر دسترس ان کا نصیب بن گئی۔اس کے ساتھ ہی زود گوئی ان کے مزاج میں اس طرح رچ بس گئی کہ برقی رابطوں پر ہر جگہ برقی نوازی ہونے لگی۔ان سب کے باوجود ان میں تصنع کا شائبہ تک نہیں۔درویشی کی چادر اوڑھے 40 برس سے شعر و ادب کی آبیاری میں مصروفِ عمل ہیں۔انہیں نہ تو ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پرواہ۔بس اپنے پرائے، رشتے ناطے سے بے پرواہ ہو کر انسانیت نوازی کا قرض ادا کر رہے ہیں۔وہ خود کہتے ہیں کہ یہ خوئے بے نیازی انہیں بہت عزیز ہے تا آنکہ ان کی آن بان پر حرف نہ آئے۔لیکن انہیں اس بات کا ادراک ہے کہ جن کی اپنی کوئی یادگار نہیں وہ ان کے نام و نشان پر فخر کرتا ہے۔

جس کی نہیں ہے آج کہیں کوئی یادگار
کرتا ہے فخر وہ مرے نام و نشان پر
دہلی میں ایک شاعرِ گمنام کا کلام
برقیؔ ہے اب محیط زمان و مکان پر

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی ہندوستان کے شہر دہلی میں بیٹھ کر "دبستانِ دہلی" کی روایتوں کے امین اور علمبردار بن کر انہیں زندہ رکھنے کی سعی میں مصروفِ عمل ہیں۔وہی شعور، وہی طمطراق، وہی رواداری اور وہی زبان دانی کی آبرو کی تڑپ، ان کے کلام میں جا بجا دکھائی دیتی ہے۔اس کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر تابش مہدی (بھارت) لکھتے ہیں" جناب برقی اعظمی نئے عہد کے شاعر ہیں۔اور پوری تعلیم بھی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہوئی ہے۔لیکن ان کی علمی و ادبی تربیت کچھ ایسی ہوئی ہے کہ وہ کسی بھی سطح پر اپنی تہذیب و روایت سے دامن کش نہیں ہوتے۔' یہ ممکن بھی کیسے ہو سکتا ہے۔شعور فکر اور وجدان ان کے والدِ گرامی کی محبتوں، صحبتوں، اور شفقتوں کا فیضان ہے۔

انہیں اپنے والدِ محترم رحمت الٰہی برق اعظمی سے نسبت پر بھی بہت ناز ہے۔

مِلا ہے برقؔ سے برقیؔ کو وہ وراثت میں
شعورِ فکر جو عرضِ ہُنر میں رہتا ہے

انسان کے جمالی احساسات کو زندہ رکھنے اور اسے پروان چڑھانے میں شاعری کا کردار بہت اہم ہے اور غزل شاعری کی مقبول ترین صنف ہے۔ یہ شاعری کی آبرو ہے۔ یہ ہمارا تہذیبی عرف ہے۔

تاریخِ ادب اردو ۱۷۰۰ء تک (جلد پنجم) کے مرتبین پروفیسر سیدہ جعفر اور پروفیسر گیان چند جین نے لکھا ہے۔

غزل کی جڑیں ہماری تہذیب اور سماجی زندگی میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر دور میں اس صنف نے ہماری جذباتی، ذہنی، اور سماجی تقاضوں کی بڑی سچی اور بھرپور عکاسی کی ہے۔۔۔آرائشِ خمِ کاکل، اور اندیشہ ہائے دور دراز، گرمی بزم او خلوت غم دار اور کوئے دلدار حقیقت و مجاز اور رندی و اخلاق آموزی کی جیسی رنگارنگ اور متنوع تصویریں غزل میں ملتی ہیں۔

بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی، ہماری تہذیب غزل میں اور غزل تہذیب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ اور دونوں کو ایک دوسرے سے رنگ و آہنگ، سمت و رفتار اور وزن اور وقار ملا ہے۔

فراق گورکھپوری کے نزدیک، اردو غزل کا عاشق اپنے محبوب کو اپنی آنکھوں سے نہیں اپنی تہذیب کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

برقی اعظمی غزل کے شاعر ہیں اور ان کی شاعری صرف لفظوں کی مرصع کاری نہیں بلکہ ان میں روایت کی پاسداری بھی ہے اور دلداری بھی۔ یہاں لطیف احساسات اپنی تمام تر روایات کے ساتھ جلوہ نما ہیں اور محبت و انسانیت بھی۔ یہاں جمالیات بھی ہے اور کلاسکیت بھی، سماجی معاملات بھی ہیں اور وارداتِ قلبی بھی۔ برقی کی غزلیں متنوع موضوعات کا حیرت کدہ اور جہانِ

معانی کا آئینہ خانہ ہیں۔ان میں زندگی کی سی وسعت ہے۔اور الفاظ تو ان کے سامنے گویا ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔مصرعوں کی بنت کاری کیا ہے گویا تراکیب کا چمنستان، اسلوب کا گلستان اور خوابوں کا ایک جہاں ہے۔یہ وہی خواب ہے جسے بابائے اردو مولوی عبدالحق سے لے کر میر، درد، سودا، آتش، داغ، ساحر اور فیض نے اپنی آنکھوں میں بسایا۔اور جس کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی جستجو میں رحمت الٰہی برق اعظمی سدا منہمک رہے۔وہی آدرش احمد علی برقی اعظمی کی رگوں میں لہو بن کر سرایت کر رہا ہے جس نے انہیں اور ان کی شاعری کو جغرافیائی، لسانی، مذہبی قیود سے ماورا کر کے اس سنگھاسن پہ بٹھا دیا ہے جہاں محبت کی دیوی امن کے نغمے گاتی ہے تو زرد رتوں کا موسم بہارِ رُت کی نوید سنانے طائرِ آوارہ کا ہمنوا بن کے بصارتوں اور بصیرتوں کو ایک "محشرِ خیال" سے آشنا کرتا ہے۔جہاں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں آئینہ خانوں کی وحشتوں سے خائف نہیں ہوتیں۔جہاں عشق نعرۂ مستانہ نہیں بلکہ انا الحق کا فسانہ ہے۔وہ آنکھوں میں دجلہ، دل میں صحرا لئے بزم آراء ہوتے ہیں تو چار دانگِ عالم ان کے سواگت کو آتا ہے۔لیکن کڑوا سچ یہ ہے کہ آج دنیا بھر میں لابی ازم کا ناسور بڑے بڑے ناموں کو بے توجہی اور ان کے حق سے محروم کر کے ان کی شناخت کو کچلنے پر درپئے آزار ہے۔اور کتنے ہی بڑے نام اس بے حسی کے ہاتھوں زندہ درگور ہو کر گوشہ نشینی پر مجبور ہو گئے۔اسی رویے کا گھائل برقی اعظمی بھی ہے۔ایک ایسا شخص جو سوشل میڈیا پر کوئی بزم ہو، ویب ہو یا بلاگ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ آج کے الیکٹرونک میڈیا کے دور میں بلا شرکت غیرے افقِ شاعری پر حکمرانی کر رہا ہے وہاں سوشل میڈیا سے نکل کے "ادبی دنیا" میں جاتا ہے تو احباب کی بے اعتنائی کا سامنا کرتا ہے لیکن یہ بے اعتنائی اسے مایوس نہیں کرتی بلکہ اس کے جذبوں کو مہمیز کرتی ہے۔ہمتوں کا یہ شناور پکار اٹھتا ہے۔

سنگباری کا اگر شوق اسے ہے تو نہ ڈر
کس نے روکا ہے تجھے تو بھی اُٹھا لے پتھر
ہے ابھی وقت انہیں روک دے جمنے سے وہاں

ورنہ ٹالے سے ٹلیں گے نہیں ٹالے پتھر
اُس نے برقیؔ کو سمجھ رکھا ہے شاید بزدل
اُس کا شیوہ نہیں خاموشی سے کھا لے پتھر

برقی کے کڑے تیور انہیں اس بے اعتنائی کی دنیا سے نکال کر اس دنیا میں لے جاتے ہیں۔ جہاں سماجی استحصال، انسانی قدروں کی پامالی، اماوس کی تیرہ شبی انہیں ظلمتوں سے برسرِ پیکار ہونے اور قلب وجگر کے زخموں کے اندمال کی تشویش میں سرگرداں کرتے ہیں۔

کیسے کروں میں گردشِ دوراں کی شرحِ حال
برپا ہے میرے ذہن میں اک محشرِ خیال
سوزِ دروں نے کردیا جینا مرا مُحال
قلب وجگر کے زخم کا کب ہوگا اِندمال
ملتے ہیں میر جعفر و صادق نئے نئے
ہے بھیڑیوں کے جسم پہ انساں کی آج کھال

احمد علی برقی صرف اپنی رنگین نوائی سے ہی دلوں کو نہیں لبھاتے بلکہ دیدۂ بینائے قوم ہوکر گراوٹ زدہ، بدحال، اور استحصال زدہ معاشرے کو نہ صرف اس کا مکروہ چہرہ دکھاتے ہیں۔ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ایک صحافی کا قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔

تیرے دستورِ زباں بندی سے ڈر لگتا ہے
کس طرح چلتی ہے سرکار کہوں یا نہ کہوں
تیز تلوار سے ہے ایک صحافی کا قلم
آج کی سُرخئ اخبار کہوں یا نہ کہوں

وہ اوروں کو بھی اس بات کی ترغیب دیتے ہوئے آج کی سیاست کے اصولوں کی قلعی کھولتے ہیں۔

لکھنا ہو جو بھی آپ کو خامہ اٹھائیے
چہرے سے روسیاہوں کے پردا اُٹھائیے
جو کہہ رہے ہیں اہلِ سیاست وہ کیجئے
درکار ہے جو آپ کو پیسا اُٹھائیے
شاید ہے عہدِ نو کی صحافت کا یہ اصول
کر کے ذلیل لطفِ تماشا اُٹھائیے

برقی اس صورتِ احوال سے مایوس نہیں وہ کہتے ہیں۔ کیا ہوا جو ادبی حلقوں میں احباب کی پذیرائی ان کا مقدر نہ بنی۔ اگر میرا فن فصیلِ شہر سے باہر نہیں جا سکا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا شعورِ فن ابھی بازار کی تلاش میں ہے۔ ایسا بازار جس نے میر، غالب اور اقبال کو زندۂ کیا۔

چرائی پھرتی ہے آنکھیں وہ اہلِ دنیا سے
یہ کون نرگسِ بیمار کی تلاش میں ہے
فصیلِ شہر سے باہر نہ جا سکا اب تک
شعورِ فن مرا بازار کی تلاش میں ہے
ہیں میرؔ و غالب و اقبال زندۂ جاوید
زمانہ ایسے ہی فنکار کی تلاش میں ہے

احمد علی برقی اعظمی مشرقی تہذیب کے پرچارک ہیں۔ وہ اسلامی تہذیب وتمدن کی اہمیت جتاتے ہوئے آج مسلمانوں کی ان کے اسلامی معیار اور اقدار سے دوری اور مادر پدر آزادی کا ذمہ دار مغربی تہذیب کو گردانتے ہیں۔ آج اخلاقیات کا دیوالیہ نکلا ہوا ہے۔ ایسے میں وہ مسلم امہ مغربی تہذیب وتمدن پر نکتہ چینی کر کے اس کے مضر اثرات سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ وہ تہذیبِ مغربی پر تنقید کرتے ہوئے اپنی اس تہذیب کو یاد کرتے ہیں جس کی درخشاں روایات نے ہمیں اوجِ ثریا ہی پہنچایا۔ جہاں علوم وفنون کی ترقی اپنے اوج پہ دکھائی دیتی ہے۔ جس نے

تاجِ سرِ دارا اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔

ہے مشرقی تہذیب رواداری کی مظہر
بے راہ روی کا ہے سبب مغربی تہذیب
اقدارِ کہن میں تھی نہاں عظمتِ رفتہ
ہوگی نہ عیاں کیا وہ دوبارہ کبھی تہذیب
باز آئے ہم اس دورِ ترقی کی رَوِش سے
مطلوب ہے برقیؔ ہمیں اپنی وہی تہذیب

آج تہذیبوں کے تصادم نے عالمی امن کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات پر ہر ذی شعور نوحہ کناں ہے اور اپنی بساط بھر انسانیت کے برہنہ لاشے کو آبرو دینے کی لگن میں منہمک ہے۔ احمد علی برقی بھی اس صورتحال پر رنجیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی قوم کو اس کا تابناک ماضی یاد کراتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ آج ہم گرداب میں اسی لئے گھرے ہوئے ہیں کہ ہم اپنی درخشاں روایات کو بھول چکے ہیں۔ وہ قوم کو تاریخ کا بھولا ہوا سبق یاد کراتے ہوئے کہتے ہیں۔

اپنی تاریخ کے اوراق اُلٹ کر دیکھو
ناخدا پہلے ہوا کرتا تھا دریا اپنا
ہم میں کوئی بھی نہیں ایسا بچا لے جو اسے
موجِ طوفاں میں گھرا ہے جو سفینہ اپنا
خانہ جنگی میں ہیں مشغول عرب اور عجم
آج گردش میں ہے ہر سمت ستارہ اپنا

ڈاکٹر احمد علی اعظمی ماہرِ لسانیات ہیں۔ ان کا یہ جوہر ان کے حرف حرف سے عیاں ہے۔ ان کے کلام میں سادگی بھی ہے اور پُرکاری بھی۔

استعارات، تشبیہات، اور نئی نئی پیکر تراشیوں سے مزین اس کلام میں غنایت اور نغمگی بھی جلوہ گر ہے۔ چار دن کی چاندنی، مارِ آستین، سبز باغ دکھانا، ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا، اپنی ڈفلی اپنا راگ، جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، ایسے بے شمار محاورے اور ضرب المثل جا بجا اشعار کے حسن کو چار چاند لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔

یہ کل رہے رہے نہ رہے سوچ لیجئے
ہے چار دن کی چاندنی جو اقتدار کی

فریب میں آ گیا میں اُس کے، نہ تھا یہ وہم و گُماں میں میرے
دکھائے گا سبز باغ پھر وہ، نئے نئے گل کھلا کھلا کے

مور کا رقص اُسے نہیں بھاتا، اپنی چال پہ ہے اِتراتا
ناچ نہ جانے ٹیڑھا آنگن، ماشا اللہ ماشا اللہ

شمع کے ارد گرد پروانے
ہاتھ دھو دیں نہ اپنی جان سے آج

جسے دیکھو مجھے ڈستا ہے مارِ آستیں بن کر
میں برقیؔ اپنے جن احباب کی محفل میں رہتا ہوں

تھے مارِ آستیں مرے پروردہ اِس لئے
میرے لئے وہ وقت کے ضحاک ہو گئے

کی مارِ آستیں کو سمجھنے میں میں نے بھول
محروم حق سے تھا جو وہ حقدار ہی رہا

موجِ طوفاں میں گِھرا ہے جو سفینہ اپنا
اپنی ڈفلی ہے الگ اور الگ اپنا ہے راگ

موجِ طوفانِ حوادث سے ڈروں کیوں برقیؔ
کون چکھ سکتا ہے اس کو جسے اللہ رکھے

عشق کرنا ہے تو پھر سوچ لو اس کا انجام
کہیں برقیؔ سرِ بازار وہ رسوا نہ کرے

تھے مارِ آستیں جو پل رہے تھے میرے دامن میں
نہ جانے بھاگتا پھرتا تھا کیوں میں مار کے پیچھے
مہرۂ شطرنج بن کر رہ گیا ہوں آج کل
اُنگلیوں پر وقت نے اپنی نچایا ہے بہت
کہہ رہا ہے آج کل وہ صرف اپنے من کی بات
سن رہا تھا جو مری اُس نے سنایا ہے بہت
اُس کے جھانسے میں نہ آؤں گا میں بھولے سے کبھی
سبز باغ ایسا ستمگر نے دکھایا ہے بہت
حاشیہ بردار تھے پہلے جو برقیؔ کے کبھی

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی نے ریاضت کی خاردار ووادی میں جو آبلہ پائی کی اس نے انہیں اور ان کی شاعری کو جن جولانیوں سے نوازا ہے اور جس خوشبو سے معطر کیا ہے اس کی نہ کوئی جغرافیائی حد ہے نہ مسلکی ولسانی۔اس نے فی البدیہہ اور موضوعاتی شاعری کو ان کی پہچان بنا دیا۔۔زیرِ نظر مجموعۂ کلام میں بھی رمزیت، ایمائیت، جاذبیت اور لطافت سے بھرپور فی البدیہہ طرحی غزلیں ہیں جو کہیں نہ کہیں سندِ پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔یوں کہیئے کہ روش روش پہ گلستانِ ادب کو خوشبوؤں سے معطر کر کے بصارتوں کے ساتھ بصیرتوں کے لئے جستجو و حیرت کے دروا کئے ایک جہانِ محبتاں ہے۔۔ان کی روانی وسلاست کے راستے میں کوئی موڑ نہیں آتا ہاں

پاتال کی گہرائی ضرور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور انہیں پیغمبری مل گئی۔ ادب میں بھی ایک آگ کی جستجو ہوتی ہے۔ اور یہ جستجو حقیقی ہوتی ہے۔ اس میں آدمی تن من دھن لگا دے تو آگ ڈھونڈنے والے کو پیغمبری بھی مل جاتی ہے۔ جہانِ شعر و ادب میں خصوصی تجربات میں ایک کلی نظر کی وجہ سے برقی کی شاعری میں ایک خاص گہرائی اور آفاقیت پیدا کر دی ہے اور اسے ایک ایسی آبجو بنا دیا ہے جو بہتی چلی جاتی ہے جہاں سوزِ دروں اسے آفاقی قدروں سے آشنا کرتا ہے۔

میری یہ طرحی غزل سوز دروں ہے میرا
میری آواز میں آواز مِلانا ہوگا

ایم زیڈ کنول، لاہور
چیف ایگزیکٹو۔ جگنو انٹرنیشنل
(علمی، ادبی، سماجی و ثقافتی روایات کی امین تنظیم)

بلبلِ ہزار داستاں

جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

مبداءِ فیض نے جہاں اپنے مخصوص افراد کو مہذب شعور مرغوب الطبعی قادر الکلامی اور ماورائی اندازِ نظر دے کر تخلیق کیا ہے وہیں انہیں پرستارِ شب غم سے انسیّت اور جبر حیات سے نبرد آزمائی کے لئے قوتِ گویائی بھی عطا کی ہے عزیزی احمد علی برقیؔ اعظمی انہیں نابغہء روزگار ہستیوں میں سے ہیں جو انضباطِ سخن، زود گوئی، فنی محاسن، حق گوئی، روایتی اسلوب کی پاسداری، تخیل کی اپج، موضوعاتی فکر انگیزی، فسوں نگاری اور ذوقِ جمالیات لے کر جلوہ افروز ہوئے ہیں

سخن طرازی میں علمی اصطلاحات کی جانب رجحان اور مہارت کا انحصار تجربہ مشاہدہ مراقبہ و مجاہدہ کے علاوہ خداداد علمی صلاحیت پر بھی ہوتا ہے تخلیق کار کی تخلیق تبھی دعوتِ کام و دہن کی اہتمام گر کہلاتی ہے۔

عام طور پر شعری روایت کو سیاسی و سماجی و معاشی و مذہبی مسائل سے بے تعلق ہونے کا الزام سہنا پڑتا ہے دراصل تجربوں کا مفروضوں پر انحصار کرنا ہماری تفہیم کا ناقص ہونا ہے۔

میرے پیش نظر محب مکرم جناب ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کا دوسرا شعری مجموعہ بعنوان "محشر خیال" موجود ہے مجھ کندہ ءناتراش کی بساط نہیں کہ ایک عبقری دماغ کثیر الجہات ماہر لسانیات اور فاتح القلوب شخصیت پر دو حرف ہی حیطہ ءتحریر میں لاسکوں۔ میرے صریر خامہ میں اگر فطرت صور اسرافیل پیدا کردے تو ممکن ہے اسکا قصد کرسکوں اور اس بلبل ہزار داستاں پر اپنی کم مایہ و بے قیمت رائے کا اظہار کرسکوں ورنہ اسکا ارادہ بجز سعی لاحاصل کچھ نہ ہوگا۔

دیوان کی مشمولات نہ صرف تار دامن دل کھینچتی ہیں بلکہ تار انفاس غزل کو یوں متحرک کر رہی ہیں کہ گویا اس ارتعاش خفی و نغمۂ جلی کی بدولت باغیچۂ حیات فانی نہ صرف معطر ہو گیا ہے بلکہ یہ کارخانۂ رنگ و بو سراپا محورقص نظر آتا ہے بلاشبہ "برقیؔ" تخلص کی حدود و قیود سے نکل کر ایک مکمل استعارہ بن کر از خود زمزمہ پرداز ہے۔

کلام کی رنگیں نگاری اور ارتباطِ انبساط و غم کی پاسداری ہی درحقیقت آپکا طرہ امتیاز ہے آپکا نغمہ ہنگامۂ محفل بھی ہے اور صدائے رستخیز بھی ہے۔ آپ کو کسی بھی موضوع پر لب کشائی میں مکمل قدرت حاصل ہے۔ آپ اردو اور فارسی غزل گوئی میں بہ یک وقت خاص مہارت رکھتے ہیں اور بطور خاص موضوعاتی غزلیہ شاعری میں فی زمانہ آپکا ثانی تلاش کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ پچھلی پچاس دہائیوں سے آپ اس فن کے واحد علمبردار اور شہسوار ہیں۔

دست قدرت آپ پر یوں مہربان ہے کہ سیرت، سائینس، صحافت، ظرافت، قدیم و جدید استعارے اور تلازمے سبھی ایک انسائکلو پیڈیا کی طرح آپکے ذہن رسا میں ہمہ وقت موجود رہتے ہیں آپ نہ صرف تہذیب یافتہ ہیں بلکہ اسرار آداب تمدن خوب سمجھتے ہیں اور آپ اپنے آئینۂ رشحات قلم میں انہیں فطری اصولوں کی پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اجلی شخصیت کم گوئی معاملہ فہمی اور اعلیٰ اخلاق آپ کے اوصاف حمیدہ ہیں

درحقیقت احمد علی برقیؔ ایک عہد ساز شخصیت کا نام ہے آپکی تالیف آئینہ خانۂ لفظ و

معارف ہے۔آپ کے علوم وفنون اور تفہیم کی کوئی حد متعین نہیں کی جاسکتی حیرت وحسرت کی آماجگاہوں سے لے کر جمال آفرینی کے دلکش اور سحر انگیز بام ودریچوں اوراس کے زیر سایہ پیدا ہونے والی دلفریبی وسرمستی وسرشاری آپکا شعری ہدف ہے۔آپکے بے نظیر انداز تخیل اور کلاسیکل انداز تحریر میں اقبال کی فکر انگیزی بھی ملتی ہےاور اصغر کی سی لطافت بیاں بھی پائی جاتی ہے۔آپ کا اسلوب سابقہ روایت شعری سے مختلف نہیں اور نہ ہی آپ جدیدیت کے اصطلاحی نمائندہ ہیں بلکہ فی الحقیقت میری رائے میں آپ محاکات وموضوعات کی صورت گری کے مدت دراز سے بے تاج بادشاہ ہیں۔

آپ کا شاعرانہ اظہار تابناک اور لطف انگیز ہے جو دل ودماغ دونوں کو جہانِ لفظ ومعنی کی تمام نشیب وفراز کی سیر کرواتا ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ برقیات کا استعارہ نصف النہار کا استخارہ ہے جو تہہ درتہہ مقصدیت کا امین ہے ذہنی اضطراب قلبی واردات اوران سے وابستہ تمام کیفیات کے پرتو ہیں گویا لکھنؤ کی خارجیت اور اہل دہلی کی داخلیت کو اگر باہم دگر ملا کر بہ نظر تعمق دیکھا جائے کہ جس میں جگرؔ کے ستائش حسن کی جلوہ گاہیں بھی ہوں اور میرؔ کے دشتِ غم و انبساط کی تخت نشینی وشہزادگی کے ساتھ ساتھ نسیمؔ دہلوی کی رنگیں نگاری بھی شامل ہو تو وہ بلاشبہ میرے ممدوح کے رشحات قلم کی جادوگری ہی ہوسکتی ہے۔

نظم،منقبت،حمد،نعت،غزل،ہزل،مرثیہ،رباعی غرض سبھی اصناف سخن پر آپ قدرتِ اظہار رکھتے ہیں جن میں علم الکلام منطق وفلسفہ عبودیت جبر واختیار کی اصطلاحات کو قرینے سے برتا جاتا ہے۔

فنی اور تکنیکی مسائل پر آپ کی گہری نگاہ ہے زبان وبیان پر گرفت اور فلسفہ حیات پر آپ کی نگاہ عمیق درخور تحسین ہے جسکا ایک زمانہ معترف ہے آپ کی عالمگیر شہرت اور فنی مہارت کے زمانہ گیت گاتا ہے آپ کے مابعد الطبعیات میں آپکے دبستان فکر کی شعوری کوششوں اور اصلاحی اور خصوصا" موضوعاتی پہلوؤں کے تہہ در تہہ سوتے ملتے ہیں۔

الغرض آپ کی شخصیت کی ہمہ گیری اور فلسفیانہ اندازِ فکر نے کلام کو حد درجہ سحر انگیز کر دیا ہے گہرا اور عمیق مطالعہ اور مشاہدے نے آپ کے کلام و بیان میں مزید وسعت پیدا کر دی ہے۔ آپ گیسوئے غزل کی مشاطگی و ناز برداری میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔

آپ کے بیان کی لطافت روح نشاط اور انبساط ذہنی جو دنیا کے لطیف مادیت کو خول سے نکالتی ہے فی زمانہ کہیں اور نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ آپ کی اختراع و ایجادات بام عروج پر مثال آفتاب و ماہتاب درخشاں و تاباں ہیں جنکے نقش گہرے اور قدریں Ageless ابدی ہیں۔

دعا گو ہوں کہ آپکی زبان کا شعلۂ زرتابِ جہاں ہمیشہ چمکتا رہے اور زبان آوری کے مزید شہ پارے زینت منصۂ شہود ہوں احقر دیوان کی طباعت و تقسیم پر صمیم قلب سے ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔

مظفر احمد مظفرؔ

لندن، برطانیہ

فکرِ معتدل کا علمبردار شاعر
ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی سے ہماری رفاقت کی عمر تیرہ سال ہے۔ انٹرنیٹ کا شکریہ ادا کیا جانا چاہیے کہ اِس کی آمد کے بعد فنکاروں اور قلمکاروں کے درمیان کے فاصلے اگر مٹے نہیں ہیں تو سمٹے ضرور ہیں۔ سوشل میڈیا کے حوالے سے ہم سے قریب ہونے والے شاعروں، فنکاروں میں ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی سرفہرست قرار دیے جاسکتے ہیں۔ حضرتِ برقی سے ہماری صرف ایک ہی ملاقات رہی ہے، جب ہم نے مشرقی ادیان کی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے دہلی کا سفر کیا تھا۔ انہیں جب معلوم ہوا تھا کہ میں دِلی میں ہوں تو ہمیں تلاش کرتے ہوئے وہ ہماری قیام گاہ پہنچے تھے اور کافی وقت ہمارے ساتھ گزارا تھا۔ پھر ہمیں اپنے گھر بھی لے گیے تھے اور ہم طعامی کا شرف بھی بخشا تھا۔ اِس ملاقات کی خوشگوار یادیں، اب بھی دِل میں اُمید کا چراغ جلائے رکھتی ہیں کہ اِن سے کہیں نہ کہیں پھر ملاقات ہوجائے گی۔ تب سے آج تک ہمارے روابط ہیں، جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید مستحکم ہوئے۔ ہمارا اُن سے تعلقِ خاطر کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اُن کی پہلی کتاب میں ہمارا مضمون شامل ہے اور حال ہی میں سیدھی بات ٹی وی چینل کے ہمارے ادبی

پروگرام ''فکروفن شعروسخن'' میں ہم نے اُن کی فکروفن اوراُن کی حیات وخدمات پر ایک ادبی فیچر بھی پیش کیا۔جس کی عالمی سطح پر بڑی پذیرائی ہوئی، جسے یوٹیوب پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۔اِس کا مطلب یہ ہے کہ ''رہتی یوٹیوب تک'' برقی صاحب کا نام ہمارے نام کے ساتھ جُڑا رہے گا۔

موصوف کی تین خصوصیات سب زیادہ متاثر کرتی ہیں:

اولاً، اُن کی زود گوئی۔یعنی وہ مسلسل لکھتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ عام بول چال اور گفتگو کو بھی وہ بہ آسانی مصرعوں میں ڈھال لیتے ہیں۔

ثانیاً، صلاحیتِ ترسیل، یعنی اپنی تخلیقات کی ترسیل کے لئے وہ عصرِ جدید کے طاقتور ترین میڈیا، یعنی انٹرنیٹ کا انتہائی مہارت کے ساتھ استعمال کر لیتے ہیں، اور اپنے فکروفن کو ساری دُنیا میں پھیلا دیتے ہیں۔

ثالثاً، بیجا تحفظات Reservations سے گریز، یعنی ایک ایسی خصوصیت جو اکثر شعراء میں نہیں پائی جاتی، یعنی وہ کسی قسم کے تحفظات کے بغیر تخلیقِ شعروسخن میں مصروف رہتے ہیں۔کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی خاص ادبی گروپ، یا کسی خاص فکر یا کسی خاص نظریہ یا کسی خاص دائرۂ زندگی سے وابستہ ہیں اور اِن کے زیرِ اثر اپنا کلام تخلیق کرتے ہیں۔اُن کی تخلیق کاری اِنسانیت نوازی کے گرد گھومتی ہے۔اگر ایک عالمِ دین بھی دُنیا سے رُخصت ہو جاتا ہے تو مرحوم کے لئے خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے اُن کا قلم تیار رہتا ہے اور اگر فلمی دُنیا کا کوئی موسیقار بھی دُنیا چھوڑ جاتا ہے تو اِن کا فیاض قلم اِن کے خراجِ عقیدت کے لئے بے تاب ہو اُٹھتا ہے۔یہی سبب ہے کہ ادبی وشعری حلقوں میں اُن کا نام ساری دُنیا میں زبان زدِ خاص وعام اور بڑے احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔اُن کی تخلیقات کی تعداد کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ انہیں ایک ساتھ کتابی شکل میں لانا چاہیں تو کئی کتابیں منظرِ عام پر آسکتی ہیں۔

شاید انہیں بھی اب یہ احساس ہو گیا ہے کہ مزید کتابیں منظر عام پر آنی چاہئیں۔اور غالبؔ ''محشرِ خیال'' سے اِس کا آغاز ہوا چاہتا ہے۔

چونکہ ہمیں ''محشرِ خیال'' کا مسودہ تاخیر سے ملا، اِس لئے اب اِس کے محاسن پر تفصیلی گفتگو کا موقع نہیں، لیکن اِدھر اُدھر سے سرسری طور پر اُن کے کلام کو جس قدر بھی دیکھنے کا موقع ملا، اِس کی روشنی میں ہم اِتنا ضرور کہیں گے اُن کی غزلوں میں وہ آب وتاب یقیناپائی جاتی ہے جو حشر برپا کرنے والی ہے۔یہ بات صحیح ہے کہ برقی صاحب اپنے سینے میں ایک دردآشنا دِل رکھتے ہیں اور وہ اپنے کلام کے ذریعہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کو پسند کرتے ہیں، جیسا کہ اُن کے شعروں میں نظر آتا ہے۔لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ بالکل ''مٹی کے مادھو'' ہوں اور معاشرے کی مکروہات سے اُن کا کوئی لینا دینا نہ ہوں۔ بلکہ اپنی فن کارانہ دردمندی کے باوجود اپنے موقف کی سختی کا برملا اِظہار کرتے ہیں۔اُن کی غزلیں اِس حقیقت کی دلیل ہیں۔ اُنہیں یہ مطلق پسند نہیں کہ اُن کا نام اُس قبیل کے قلمکاروں میں شامل کیا جائے جن کی قلمکاری وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔عصرِ حاضر کے اُن رہبروں کی ایمان فروشی کو وہ ہرگز نظر انداز نہیں کرتے جو کبھی کسی کا سہارا نہیں بن پاتے۔وہ یہ کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں جھجکتے کہ ہمارے چارہ گر اپنی چارہ گری بھول چکے ہیں اور مسیحا دُشمنِ جاں بن گیے ہیں۔وہ دھڑلے سے اُن لوگوں کو بزدل قرار دیتے ہیں جو خدا کے بندوں پر دست درازی کر کے اِس کارِ شنیع کو شجاعت کہتے ہوئے شرمندگی محسوس نہیں کرتے۔

ہم ''محشرِ خیال'' کے لئے برقی صاحب کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے دُعا گو ہیں کہ اِسے قبولِ عام حاصل ہو......

عزیز بلگامی

مدیر ''فکر وفن شعر وسخن''، سیدھی بات ٹی وی چینل

روحِ سخن سے محشرِ خیال تک

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی ایک نام جو فارسی اور اردو حمد، نعت، منقبت، غزل، نظم اور دیگر اصنافِ سخن میں شعر گوئی کے لامتناہی سلسلہ کی پہچان ہے۔ اپنے والد برقؔ اعظمی کی علمی وراثت شعری عناصر کی صورت برقیؔ صاحب کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ وہ کبھی اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

کلمۂ کُن کا استعارا تو
منبعِ نور و عالم آرا تو
تجھ سے روشن ہے عالمِ امکاں
ہے ہر اک شے سے آشکارا تو

کبھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں عرض کناں ہوتے ہیں:

منم مسکیں توئی عالم پناھی یارسول اللہ
زِ لطفِ خویش برمن ہم نگاھی یارسول اللہ

زِ سوزِ ھجرِ تو صبح و مسا فریاد می دارم
دو چشمِ اشکبارم چون گواھی یا رسول اللہ

جب مولائے کائنات کرم اللہ وجہ الکریم کی مدح کی تو کہا:

اصحابی کالنجوم بقولِ نبی ہیں سب
جو ضوفگن ہے سب سے ستارا علی کا ہے
ہے بابِ علم کون ہوا جب سوال یہ
جو نام سب نے مل کے پکارا علی کا ہے

امامِ عالی مقام علیہ السلام کی جناب میں معروضۂ دل وجان پیش کیا تو یوں گویا ہوئی:

جو فرضِ عین تھا وہ نبھایا حسین نے
دینِ محمدی کو بچایا حسین نے
خونِ جگر سے سینچ کے میدانِ کربلا
گلزارِ دینِ حق کو سجایا حسین نے
اسلام کی بقا سے نہیں بڑھ کے اپنی جاں
حسنِ عمل سے اپنے جتایا حسین نے
شیرِ خدا دکھاتے تھے جو رزمگاہ میں
برقیؔ وہ کام کر کے دکھایا حسین نے

غزل کہنے پر آتے ہیں تو کچھ اس طرح اپنے فکروہنر کے زروگوہر لُٹاتے ہیں:

جادۂ شوق میں سرگرمِ سفر ہوں تنہا
دل میں ایسے میں یہ ارمان ہے آئے کوئی

روشن تھی جس سے شمعِ شبستانِ زندگی
یادوں کے اس سراب میں اب کیا ہے کچھ نہیں
کبھی وحشت زدہ ماحول میں اپنے ہی سائے سے
ہجومِ کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے
کہہ رہا ہے جس کی نظروں میں برابر ہیں سبھی
اُس امیرِ شہر کا فرمان آدھا رہ گیا
اس دور میں ہر سمت ہے اک عالمِ محشر
ہے دل میں جو اک حشر بپا اور ہی کچھ ہے

برقیؔ صاحب کی نظر میں شاعری ردیف و قافیہ میں الفاظ کی تک بندی نہیں قلبی جذبات واحساسات کی آئینہ داری کا نام ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

خوابیدہ حسرتوں کا نہ ہو جس میں انعکاس
ہے کارگاہِ شیشہ گری شاعری نہیں

یہی وجہ ہے کہ وہ جب صفحۂ قرطاس پر اپنے قلم کی جولانیاں دکھاتے ہیں تو کبھی اپنے اس ہدف سے دور نہیں ہوتے۔ یہ وہ شاعر ہے جو اپنی ذات سے اوپر اُٹھ کر اپنے اطراف واکناف میں موجود مسائل کو نہ صرف خود محسوس کرتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ دوسرے اہلِ معاشرہ بھی نہ صرف ان مسائل کی جانب متوجہ ہوں بلکہ ان کے حل تلاش کریں اور ان کی طرف پیش قدمی کریں۔ چنانچہ وہ اپنی غزلوں میں بھی روایتی انداز سے مختلف لب ولہجہ کے حامل نظر آتے ہیں۔ نظم گوئی کے میدان میں تو میرے خیال میں دورِ حاضر میں برقیؔ صاحب کا کوئی ثانی نہیں۔ ان کی موضوعاتی نظمیں تیر بہدف ہوتی ہیں اور وہ ان کے ذریعہ روز بروز پیش آتی مثبت و منفی حالات و کیفیات سے عوام الناس کو روبرو کرتے ہیں۔

اردو ادب کی وہ نہ صرف خدمت کر رہے ہیں ہر اُس شخص و ادارہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو یہ خدمت کر رہا ہے۔ ساتھ ہی یادرفتگاں کے علاوہ وہ اُن ادیب وشعراء کی بھی پذیرائی کرتے نظر آتے ہیں جو بقیدِ حیات ہیں۔

غالبؔ نے کہا تھا:

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

میں نے اُن کے پہلے مجموعۂ کلام ''روحِ سخن'' کو معیارِ سخن کہا تھا تو اب اس مجموعۂ کلام ''محشرِ خیال کو عروج وارتقائے فکروفن کا ایک حسین امتزاج نہ کہوں تو کیا کہوں کہ اس میں موجود حشر سامانیاں خود ہی اپنے معیار کی گواہ ہیں۔ دعا ہے کہ برقیؔ اعظمی صاحب اسی برق رفتاری سے شائقینِ ادب کی تشنگیٔ چشم و گوش کا مداوا فراہم کرتے رہیں۔ این دعا از من واز جملہ جہان آمین باد۔

سید وحید القادری عارف

جدہ، سعودی عرب

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی شعری و فکری جہات

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی علمی و ادبی دنیا میں محتاج تعارف نہیں، آج کی سائبر اور سوشل میڈیا والی دنیا میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا جب ان کی کوئی نہ کوئی تخلیق وہاں پہنچ کر قارئین، صارفین اور ناظرین سے داد نہ وصول کرتی ہو۔ اسی طرح دنیا بھر میں منعقد ہونے والی شعری و ادبی نشستوں میں ان کی شرکت نہ ہوتی ہو۔ بلکہ آج کے وقت میں تو انھیں اس دنیا میں نام پیدا کرنے والوں میں اہم اور نمایاں مقام حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ بالخصوص ان کی موضوعاتی اور فکری شاعری نے تو دنیا بھر میں دھوم مچا رکھی ہے۔

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی پیدائش (ان کے ذاتی احوال کے مطابق) شہر اعظم گڑھ کے محلہ باز بہادر میں 25 دسمبر 1954 کو تلمیذ نوح ناروی حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کے گھر ہوئی۔ معمول کے مطابق ابتدائی تعلیم شہر کے معروف اسکولوں میں ہوئی جن میں مدرسہ اسلامیہ باغ میر پیٹو، شبلی ہائر سکنڈری اسکول شامل ہیں اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے شبلی نیشنل کالج کا رخ کیا اور وہاں سے بی۔ اے۔ ایم اے۔ بی ایڈ جیسی اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں حاصل کیں۔ بعد ازاں دہلی آ کر ملک کی مشہور و معروف یونیورسٹی جواہر لال نہرو یونیورسٹی جسے عرف عام میں جے این یو کہا جاتا ہے، میں 1977 میں ایم۔ اے فارسی میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۹ میں ایم اے فارسی اور پھر وہیں سے فارسی ہی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

اس کے بعد آپ ۱۹۸۳ میں آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی سے وابستہ ہو گئے اور ۲۰۱۴ میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اور تادمِ تحریر عارضی طور سے اسی شعبے سے وابستہ ہیں۔ شاعری کا شوق و فن انھیں اپنے والد رحمت الٰہی برقؔ اعظمی سے ورثے میں حاصل ہوا جو جانشینِ داغ حضرت نوح ناروی کے خصوصی اور چہیتے شاگرد تھے۔ چنانچہ گھر کے شعری و فکری ماحول میں ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی کی تعلیم و تربیت نے ان کے اندر موجود اس شاعر کو بیدار کر دیا جس نے عمر کے اس پڑاؤ تک ان کو متحرک بنا رکھا ہے۔

برقیؔ اعظمی عام فہم اور عام انسان کے بھی سمجھ میں آجانے والی شاعری کرتے ہیں جسے سہل طرز اور آسان شاعری بھی کہا جا سکتا ہے مگر جس قدر یہ کہنا اور لکھنا سہل اور آسان ہے اتنا اسے انجام دینا آسان نہیں ہے، یعنی برقی صاحب کا کام، آسان شاعری کرنا اور سہل طریقے سے شاعری سے دل چسپی رکھنے والوں تک بات پہنچانا اتنا سہل نہیں ہے۔ ان کی شاعری اس لیے بھی دل چسپی کی باعث ہے کہ وہ ہمارے دکھ درد اور فکر و پریشانی کا حل ہے۔ برقی اعظمی نے وہی لکھا جو ان پر گزرا اور ایک عام انسان پر اس کی زندگی میں واقع ہونے والی مشکلوں، پریشانیوں، کلفتوں اور مسائل کی صورت میں بیتتا ہے۔ برقی اعظمی کی شاعری کو اگر آج کا المیہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ انھوں نے محض زخم دکھا دیے ہوں، بلکہ ان کا حل بھی بتایا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والے ان کے قدم بہ قدم چل کر ذہنی سفر طے کرتے ہیں اور کبھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور کبھی سنجیدگی سے اس پر غور کرنے لگتے ہیں۔

ایک مقام پر برقیؔ اعظمی کی شاعری کے متعلق ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''جناب احمد علی برقیؔ اعظمی ایسے خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جن کے اسلاف شعر و ادب کی پاکیزہ روایات کے حامل رہے ہیں۔۔۔۔۔۔ انھوں نے اپنے عہد کے عصری تقاضوں سے اکتساب فیض کیا ہے، اس لیے ان کی شاعری حدیث حسن بھی ہے

اور حکایت روزگار بھی۔‘‘

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک غزل کے منتخب اشعار درج کردوں:

خانۂ دل میں تھے مہماں، آپ تو ایسے نہ تھے!
کردیا کیوں اس کو ویراں، آپ تو ایسے نہ تھے!!
آپ تو افسانۂ ہستی کا عنواں تھے مرے!
دیکھ کر اب ہیں گریزاں، آپ تو ایسے نہ تھے!!
کیف وسرمستی کا ساماں آپ تھے میرے لیے!
مثل آئینہ ہوں حیراں، آپ تو ایسے نہ تھے!!
کچھ بتائیں تو سہی، اس بدگمانی کا سبب!
کیوں ہیں اب برقیؔ سے نالاں، آپ تو ایسے نہ تھے!!

مذکورہ غزل کے مطالعے سے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ غزل کے روایتی موضوعات سے مکمل انحراف واحتراز کرتے ہوئے برقی اعظمی اپنی شاعری کے ہر مضمون، ہر بیان اور ہر جذبے کو ایک شخص واحد کے حوالے سے بات کرتے ہیں اور کوئی عجب نہیں کہ یہ شخص واحد خود برقیؔ اعظمی ہی ہو یا وہ ہم سب، اور ہم سب برقیؔ اعظمی یا برقیؔ اعظمی ہی ہم سب ہیں۔ ان کی شاعری کا نصف فیصد یا بیشتر حصہ خود ان کے ہی اردگرد گھومتا ہے۔ وہی اس کے مرکزی کردار ہیں اور وہی اس کے اولین مخاطب بھی اس کے بعد وہ کسی اور سے اس کو منسوب کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا رنگ چھوٹی اور سیدھی بحروں سے سجا سجایا ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ہنر انھوں نے فارسی ادبیات سے سیکھا ہے چوں کہ انھوں نے فارسی میں ڈاکٹریٹ حاصل کی ہے اور اس طرح انھیں اس پر عبور بھی حاصل ہے۔ فارسی میں یہی ہوتا ہے کہ مختصر بحروں، قافیوں، ردیفوں اور دائروں میں ہی غزلیں لکھی جاتی ہیں اور اس طرح سے ان کو سمجھنا اور ان کا تجزیہ کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

دل کی ویرانی کبھی دیکھی ہے کیا!
یہ پریشانی کبھی دیکھی ہے کیا!!
میری چشم نم میں جو ہے موجزن!
ایسی طغیانی کبھی دیکھی ہے کیا!!
آئینہ میں شکل اپنی دیکھ کر!
ایسی حیرانی کبھی دیکھی ہے کیا!!

رسم الفت کو نبھا کر دیکھو!
دل سے اب دل کو ملا کر دیکھو!!
جو تمھیں ہم سے الگ کرتی ہے!
تم وہ دیوار گرا کر دیکھو!!
بد گمانی کا نہیں کوئی علاج!
ہم کو نزدیک سے آکر دیکھو!!

یہ غزلیں، یہ اشعار اور یہ انداز بیاں دیکھیے کتنی آسان بحروں میں مرقوم و منظوم ہے اور کتنی آسانی سے اس کو سمجھا جاتا ہے۔ وہ فطرت سے بہت قریب رہ کر شاعری کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کی آواز بن کر لبیک کہتے ہیں۔ گل و بلبل کی نزاکت کو بھی سمجھتے ہیں اور خزاں و موسم باراں کی مجبوریوں کو بھی سمجھتے ہیں۔ پھر وہی کمپرومائزنگ ان کی شاعری میں جھلکتی ہے جس سے مشکلیں اور سختیاں اپنا لہجہ، اپنا رخ اور اپنا انداز بدل لیتی ہیں۔ انسان میں ممکن ہے بہت سی خوبیاں ہوسکتی ہیں، اگر اس میں سمجھوتہ کرنے کی خو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے اور اگر کچھ بھی نہ بس یہی نیک خو ہو تو یہ حیات و کائنات اس کے لیے مثالی بن سکتی ہیں۔ برقی اعظمی پر زود گوئی کا الزام لگتا ہے۔ اس الزام کا جواب امریکہ میں مقیم معروف اسکالر اور شاعر سرور عالم راز سرور ریوں دیتے ہیں:

''یہاں زود گوئی کے حوالے سے چند باتیں کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ زود گوئی صرف ایک قسم کی نہیں ہوتی۔ ایک زود گوئی تو وہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے غزل کے مضامین میں گہرائی و گیرائی کم ہو جاتی ہے، اشعار میں زبان و بیان و مضامین کی یکسانیت در آتی ہے اور بعض اوقات کسی غزل پر یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ اس سے قبل نظر سے گزر چکی ہے۔ ایسی زود گوئی سے دامن بچانا ضرور ہے لیکن ایک ماہر اور صاحب فن شاعر کے لیے ناممکن نہیں ہے۔ برقی صاحب کی یہ زود گوئی اختیاری ہے۔ وہ حسب فرمائش جب کہیے ہر موضوع پر داد سخن دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔''

برقی اعظمی کی شعر گوئی کا یہ رنگ بھی دیکھتے چلیں:

نہ تو ملتا ہے وہ مجھ سے نہ جدا ہوتا ہے!
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہوتا!!
جب نہیں دیتا در دل پہ وہ دستک برقیؔ!
کیا بتاؤں میں تمھیں ایسے میں کیا ہوتا ہے!!

پھر وہی شدت جذبات کہاں سے لاؤں!
جیسے پہلے تھے وہ حالات کہاں سے لاؤں!!
منتشر ہو گئے اوراق کتاب ہستی!
ساتھ دیتے نہیں حالات کہاں سے لاؤں!!

داستاں ایسی ہے جس کا نہیں عنواں کوئی!
مجھ سا دنیا میں نہیں بے سروساماں کوئی!!
سوچتا ہوں کچھ کہوں، پھر سوچتا ہوں کیا کہوں!
اپنے آگے وہ کسی کی مانتا کچھ بھی!!

یہ کشمکش تقریباً ہم سب کی ہے۔ کم و بیش ہر انسان اس دہرے اور ڈبل سیٹ اپ کا

شکار ہے۔ بالخصوص سنجیدہ اور فکر و احساس جیسی نعمت سے مالا مال افراد کے لیے ہر پل ایسی ناساعد صورت حال پیش آتی ہی ہے۔ انھیں تو قدم قدم پر درپیش چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وقت و حالات ان کے جذبات سے کھیل جاتے ہیں۔ ان سے باقاعدہ خراج وصول کیا جاتا ہے اور ان کی آگاہی و دانش مندی کے قرض چکانے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے۔ پھر بھی یہ باہمت، اولعزم اور سرفروش ان کے مقابل رہتے ہیں، منہ زور آندھیوں کا رخ موڑتے ہیں اور انھیں شکست دیتے ہیں۔ برقی اعظمی کے یہ اشعار اسی حوصلگی اور اسی ہمت و عزم کے غماز ہیں۔ اسی سربلندی و سرفروشی کا اظہار و انکشاف بھی۔

غزل کے روایتی موضوعات سے ہٹ کر اس طرح کے موضوعات کی پیش کش نے گو برقی اعظمی کے لیے زمین تنگ کردی اور کسی حد تک انھیں روایات کا باغی بھی معروف کردیا مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ دراصل برقی کا زمانہ، برقی کے زمانے کے حالات، برقی کے عہد کی تیزی سے ادلتی بدلتی اور آتی جاتی رُتوں اور حالات کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ ایسے ہی موضوعات اور جہات کو عنوان بنا کر خامہ فرسائی کریں۔ نئے زخم ہیں، نئے صدمے، نئے تقاضے ہیں اور نئی ذمے داریاں لہٰذا ان کا ٹریٹمنٹ اور سولیوشن بھی جدید طرز کا ہی ہونا چاہیے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ فساد کا منہ جلد بند ہوگا بلکہ تباہی کے دائرے بھی محدود ہو کر رہ جائیں گے اور انسانیت محفوظ رہے گی۔

اسی بات کو سہ ماہی فکر و تحقیق، ماہنامہ اردو دنیا اور ماہنامہ بچوں کی دنیا کے نائب ایڈیٹر عبدالحیٔ اس طرح کہتے ہیں:

> ''وہ ایک سدابہار اور ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔ برقی اعظمی کو نہ صرف شعر و ادب کی تمام اصناف۔ حمد، نعت، قصیدہ منقبت، غزل، نظم وغیرہ پر دسترس حاصل ہے بلکہ آج وہ شاید واحد شاعر ہیں جو انٹرنیٹ اور سوشل سائٹس کی مدد سے دنیا کے مختلف حصوں میں معروف و مقبول ہیں۔۔۔ انھوں نے موضوعاتی شاعری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ عظیم شخصیات کو منظوم خراج عقیدت پیش کرنا ہو، کسی خاص دن پر شعر کہنا ہو، کوئی تہوار

ہو، کوئی حادثہ، واقعہ ہو، کسی رسالے کا خاص شمارہ ہو، کوئی کتاب ہو، انھوں نے سبھی کو اپنے منظوم کلام میں سمو کر دوام عطا کیا ہے۔''

یہی ایک حساس شاعر و فن کار کی ذمے داری ہوتی اور اس کا فرض بھی جسے ادا کرنا اس کا منصب ہوتا ہے۔ برقیؔ اعظمی کی یہ شعوری کوشش ہے جس میں وہ کامیاب رہے ہیں نیز بعد کے آنے والوں کے لیے اس سنگلاخ وادی کے کانٹے چن کر اس میں پھول بوئے ہیں۔

مجھ کو ہنس ہنس کر رُلایا دیر تک!
چین پھر اس کو نہ آیا دیر تک !!
آتش سیال تھا میرا لہو!
میرا خوں اس نے جلایا دیر تک!!
میں ورق اس کی کتابِ حسن کا!
چاہ کر بھی پڑھ نہ پایا دیر تک!!
حال دل برقیؔ کا تھا ناگفتہ بہ!
سر پہ چھت تھی اور نہ سایا دیر تک!!

ان حالات سے گزرتے ہیں برقیؔ بلکہ ان کی جلو میں ہم سب۔ یہ ہم سب کے حالات ہیں اور ہماری حیاتِ مستعار کے وہ عناوین جنھیں ہم ہی پڑھ سکتے ہیں اور اپنے اپنے طور پر ہم ہی ان کی گہرائیوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ کوئی اور ان کی تشریح صرف اسی حد تک کر سکتا ہے جس حد تک وہ ہم سے واقف ہے۔ چنانچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے علاوہ ہمیں مکمل طور پر کوئی نہیں جان سکتا۔ لہٰذا اپنی خوبیوں اور کمزوریوں کے ادراک کے لیے ہمیں اپنے ہی اندر کھڑکیاں کھولنی پڑتی ہیں۔ باہر کے لوگوں کو ہمارے چند حالات پتا چل جاتے ہیں اور وہ ان کو عناوین بنا کر ہمیں دنیا بھر میں رسوا کرتے پھرتے ہیں۔ ان ہی چند معلومات کو بنیاد بنا کر ہمیں ہدفِ ملامت بنایا جاتا ہے یا اعزاز و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ بس ان ہی چند کے ارد گرد دنیا والے ہمارا اچھا برا مقام متعین کر لیتے ہیں۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ: 'من آنم کہ من

دانم'-------برقی نے ہمیں اپنے اندر جھانکنے کا ایک طریقہ بتایا ہے اور ہمیں درپیش مسائل وحالات سے آگہی بخشنے کی کوشش کی ہے۔

برقی اعظمی اپنے مرحومین اور رفتگان کو اس طرح یاد کرتے کراتے ہیں اور ان کو شعری لب ولہجہ دے کر زندہ وجاوید کر دیتے ہیں۔ یہ ان کا شاعری اور شعر گوئی کا جداگانہ پہلو ہے جس کے مالک اور ماسٹر وہ خود ہیں۔ وہی بہتر اور خوب صورت انداز میں اسے فروغ دے سکتے ہیں اور دے رہے ہیں۔ ان کے علاوہ شاید و باید ہی کوئی اس صنف کو فروغ دے۔ نئے دور میں وہ نئی غزل کے شناور بن کر ابھرے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے کچھ نقوش اور نمونے اور خطوط بھی متعین کیے جن کے اردگرد ان کی غزل گوئی کا دائرہ گردش کرتا ہے۔ جیسے انھوں نے زندہ اور متحرک افراد واشیا پر لکھا۔ نمبر دو: وہ طرحی غزلوں میں جدت پیدا کر دیتے ہیں۔ نمبر تین: وہ طرحی غزلوں پر دوغزلہ اور سہ غزلہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ ہمہ جہتی موضوعات پر انھیں جس طرح کی دسترس حاصل ہے اس کا اندازہ ان کی آن لائن سائٹس، فیس بک، وہاٹس ایپ اور دیگر سوشل سائٹس پر پڑھنے سے ہوتا ہے۔ وہ کتنے زود گو اور مثبت قلم کار شاعر ہیں یہ دونوں چیزوں ایک ساتھ صرف ان کے یہاں ہی نظر آتی ہیں۔ ایک مقام پر عزیز بلگامی ان کی اسی خوبی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''جہاں تک ان کی فکری جولانگاہ اور اس کی وسعت کی بات ہے، تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس کا دائرہ عالمی سطح پر تک پھیل گیا ہے اور فکر وفن کی مختلف جہتوں کے ساتھ وہ مصروف سخن نظر آتے ہیں۔ آج دنیا کی کوئی معروف آن لائن انجمن ایسی نہیں جہاں حضرت برقی کی برق رفتار شاعری کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ ایک طرف وہ ہر صنف سخن میں اپنی تخلیقیت کے کامیاب تجربے کرتے ہیں، تو دوسری طرف تازہ تخلیقات کو معرض وجود میں لانے کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ مثلاً کسی انجمن پر کسی مصرع طرح کا اعلان ہوتا ہے تو سب سے پہلی غزل برق رفتاری کے ساتھ کسی کی پہنچتی ہے تو وہ حضرت برقی کی ہی ہوتی ہے۔ کسی کتاب کی رونمائی ہو، کسی کتاب کا اجرا ہو رہا ہو تو

برقی صاحب کی رگ سخن پھڑک جاتی ہے اور کم از کم 7 شعروں پر مشتمل منظوم خراج تحسین پیش کر ہی دیتے ہیں۔

واقعی ایسا ہے بھی اور خوب ہے۔ ان کا جو اہم کارنامہ ہے وہ ''یادرفتگاں'' کے حوالے سے منظوم خراج عقیدت پیش کرنا ہے۔ وہ اس ذمے داری کو اس طرح نبھا دیتے ہیں کہ حق ہی ادا ہو جاتا ہے۔ اسی بات کو سید ضیا خیر آبادی یوں کہتے ہیں:

> ''یادرفتگاں کے عنوان کے تحت ان کی نظموں کی مثال اردو شاعری کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتی۔ یادوں کی اس طرح بزم آرائی کا اہتمام کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس بحرانی دور میں اردو کو اس ڈوبتی ناؤ کے ناخدا بن کر جس ذمے داری کو آپ نے نبھایا ہے وہ قابل تحسین ہے۔''

سید ضیا خیر آبادی نے یہ بہت سچی بات کہی ہے اور برقی اعظمی کی اس خوبی اور اس کمال کا ذکر اور اعتراف کھلے الفاظ میں کیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً یہ شاعری میں ایک نیا تجربہ ہے بلکہ آج کے وقت اور حالات کے لحاظ سے ضروری بھی۔ یہ ایک ایسی ایجاد اور تجربہ ہے جو مقبول بھی ہے اور پسندیدہ بھی۔ اسی لیے برقی صاحب کی ہر گام پر پذیرائی ہو رہی ہے اور ان کے لیے اہل علم کے دلوں میں خاطر خواہ جگہ بنتی جا رہی ہے۔ وہ مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ اس طرح ان کا کلام اور فکر دونوں ہی نکھرتے جا رہے ہیں۔ نئی شاعری اور نئی فکر اور نیا وژن بھی نظر آ رہا ہے۔ جس کی اردو ادب اور اردو شاعری کو سخت ضرورت ہے جس کی تکمیل برقی اعظمی بحسن وخوبی کر رہے ہیں۔ ان کا قلم رواں دواں ہے اور تیز رو بھی۔ سفر حالاں کہ بہت لمبا ہے مگر نہ تو ان کے اعصاب پر تھکن نمایاں ہے اور نہ ہی کلام میں اضمحلال بلکہ روز افزوں تازگی اور سرسبزی وشادابی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر محمد یحییٰ صبا
شعبۂ اردو کروڑی مل کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
E-mail : urisath@yahoo.com
urisath@gmail.com

ایک برق رفتار شاعر

احمد علی برقیؔ اعظمی کو میں نے بارہا پڑھا ہے اور بارہا سنا ہے۔ وہ زود گو ہی نہیں بسیار گو شاعر ہے، مگر قادر الکلام ہے۔ اس نے شعر کے اعلیٰ معیار کو ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔ وہ تقلید سے گریز کرتا ہے اور تخلیق کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کے جذبات و خیالات میں دروں بینی ہے۔ وہ شاعرانہ صداقت کا قائل ہے۔ اس کے اشعار موزوں ہی نہیں اثر انگیز بھی ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر نے اسے زبان و بیان پر قدرت عطا کی ہے۔ وہ روایت کا پاسدار ہے مگر کبھی جدیدیت کو بھی گلے لگا لیتا ہے۔ اس کا سخن پرور قلم اخلاقی قدروں کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ اُس کی شاعری موضوعاتی اور مقصدی ہے۔ شاعری اس کا مشغلہ نہیں ایمان ہے۔ وہ ہر لحظہ شعر کہتا ہے اور ہر موقع پر اپنے تاثرات جن میں ایک وسیع مطالعہ اور گہرا شعور شامل ہوتا ہے اپنے منظوم کلام میں پیش کرتا ہے۔ درجِ ذیل چند اشعار اُس کی بیشتر ادبی خوبیوں اور نظریات کے آئینہ دار ہیں۔ برقیؔ کا شعری سرمایہ اردو شاعری کا بھی بیش بہا سرمایہ ہے۔ دعا گو ہوں کہ اس کے کلام کو اردو شعر و سخن کے حلقوں میں پزیرائی کے ساتھ ساتھ بقائے دوام بھی حاصل ہو۔ آمین۔

سودا نہ کر سکا ابھی اپنے ضمیر کا
حالات سے میں برسرِ پیکار ہی رہا
اس لئے میں جہاں تھا وہیں رہ گیا
خود فروشی نہیں تھی گوارا مجھے

شاعری

نہ ہو جو قاری و سامع پہ کچھ اثر انداز
فریبِ محض ہے برقیؔ وہ شاعری کیا ہے

شاعر

کردیتا ہے جو زیر و زبر نظمِ جہاں کو
افسانۂ ہستی کا وہ کردار ہے شاعر
اقبالؔ کے نغموں سے عیاں ہے یہ حقیقت
اک نظمِ جہاں تاب کا معمار ہے شاعر

غزل

میرؔ کا سوزِ دروں غالبؔ کا حسنِ فکر و فن
نام ہے اردو غزل کی خوشنما تفسیر کا

زندگی

نہ کام آئے کسی کے جو زندگی کیا ہے
بشر نواز نہ ہو جو وہ آدمی کیا ہے

مغربی تہذیب

ہے آفتِ جاں اپنے لئے مغربی تہذیب
لوٹا دے کوئی مجھ کو مری مشرقی تہذیب
ہے مشرقی تہذیب رواداری کی مظہر
بے راہ روی کا ہے سبب مغربی تہذیب
محفوظ نہیں آج بزرگوں کا تقدس
تھی پہلے جو موجود کہاں کھو گئی تہذیب
اَقدارِ کُہن میں تھی نہاں عظمتِ رفتہ
ہوگی نہ عیاں کیا وہ دوبارہ کبھی تہذیب

حالاتِ حاضرہ

تھے جتنے یار چُپ سادھے ہوئے ہیں
سبھی عیار چُپ سادھے ہوئے ہیں
ہر اک جانب بپا ہے ایک محشر
مگر اخبار چُپ سادھے ہوئے ہیں
امیرِ شہر اب تک سو رہا ہے
جو ہیں بیدار چُپ سادھے ہوئے ہیں

طرحی مصرعوں پر گرہ

عروسِ فکر افسردہ ہے برقیؔ
"اُداسی بال کھولے سورہی ہے"

کہتے ہیں اب وہ صاحبِ اِدراک ہو گئے
"بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے"

مرا سایہ ہی میرا ہمنشیں ہے
"میں اپنے پاس بیٹھا رہ گیا ہوں"

نہ جانے کیوں سبھی وحشت زدہ ہیں
"در و دیوار چُپ سادھے ہوئے ہیں"

پرواز میں جو ساتھ نہ دے آسمان پر
" بہتر ہے خاک ڈالئے ایسی اُڑان پر"

وقت کے ساتھ بدل جاتی ہیں قدریں برقیؔ
"داستانوں کے اب عنوان بدل کر دیکھو"

سمجھ میں کچھ نہیں آتا اُڑوں تو کیسے اُڑوں
"تراش کر مرے بازو اُڑان چھوڑ گیا"

آخر میں اس انتخاب کا مقطع

دہلی میں ایک شاعرِ گمنام کا کلام
برقیؔ ہے اب محیطِ زمان و مکان پر

ڈاکٹر جی۔آر کنول

صدر، حلقۂ تشنگانِ ادب

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی......

ایک پیاری شخصیت، ایک پیارا شاعر

علی بھائی (ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی) سے پہلی ملاقات کب ہوئی تھی اور کیسے ہوئی تھی یہ تو یاد نہیں لیکن میں نے پندرہ بیس سال کے تعلق کے عرصے میں ان کو ہمیشہ یکساں پایا۔ وہی شرافت، وہی شائستگی، وہی خندہ پیشانی، وہی خوش اخلاقی، وہی انکساری، وہی حسن سلوک اور وہی محبت اور وہی دوستانہ انداز۔ ان تمام اوصاف میں بیشی تو پائی لیکن کبھی کمی نہیں پائی۔ ان سے ملاقات ان کے دولت خانہ پر بھی ہوئی، آل انڈیا ریڈیو میں بھی ہوئی اور دوسرے مقامات پر بھی ہوئی۔ ہمیشہ تپاک سے ملنا اور کھل کر گفتگو کرنا ان کی فطرت اور طبیعت کا خاصہ ہے۔ وہ جس قدر قابل اور باصلاحیت ہیں اسی قدر منکسر المزاج بھی ہیں۔ لیکن ان کی ظاہری شخصیت بڑی ہی غیر متاثر کن ہے۔ اگر وہ پہلی بار کسی سے ملیں تو وہ ان سے کوئی اثر قبول نہیں کرے گا۔ لیکن ملاقات کا عرصہ جوں جوں بڑھتا جائے گا ان کے مزاج کی خصوصیات ابھرتی جائیں گی۔ اور پھر وہی شخص جس نے پہلی ملاقات میں ان کو نظر انداز کر دیا تھا ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

علی بھائی جیسے باہر ہیں ویسے ہی اندر بھی ہیں۔ نہ کوئی چھل نہ کپٹ، نہ تعصب نہ تنگ

نظری، نہ معاندانہ جذبات نہ احساس برتری۔ فارسی، اردو اور انگریزی زبانوں پر عبور رکھنے والا یہ شخص اتنا سادہ لوح ہے کہ اس پر بلا کا پیار آتا ہے۔ علی بھائی کی سادہ لوحی اور ان کی شرافت سے بہت سے لوگوں نے ناجائز فائدے بھی اٹھائے ہیں۔ انھیں لوگوں سے دھوکے بھی ملے ہیں۔ بیوفائیاں بھی ملی ہیں۔ لیکن اگر ان سے ایسے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے تو شاید ہی وہ کسی ایسے شخص کا نام بتا سکیں۔ اس کی وجہ وہی ان کی شرافت نفسی ہے جو انھیں دوسروں سے ممتاز بناتی ہے۔ وہ کسی بھی بات کا برا بھی نہیں مانتے۔ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ان کی سادہ لوحی پر ہم میں سے کسی نے سخت الفاظ میں کچھ کہہ دیا لیکن انھوں نے اس کا غلط مطلب نہیں نکالا۔ نہ ہی اسے دل میں رکھا۔ نہ تعلقات کی راہ میں آڑے آنے دیا۔

میں نے اکثر دیکھا ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کے ایک افسر اعلیٰ اکثر ان کا مذاق اڑاتے اور انھیں ''استاذ الاساتذہ'' کہہ کر چھیڑنے کی کوشش کرتے۔ لیکن انھوں نے کبھی نہ تو ان کے انداز گفتگو پر اعتراض کیا اور نہ ہی ان کے دل میں کبھی یہ خیال آیا کہ انھیں ان سے قطع تعلق کر لینا چاہیے یا کم از کم ان سے ملنا جلنا چھوڑ دینا چاہیے یا کم کر دینا چاہیے۔ میں جب بھی آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس میں جاتا اور انھیں معلوم ہو جاتا تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ افسر مذکور سے آمنا سامنا ہو سکتا ہے، وہ مجھ سے ملنے ضرور آتے۔ اتفاق سے عموماً 'ان' سے مڈبھیڑ ہو جاتی اور وہ اپنے روایتی انداز میں چھیڑنے کی کوشش کرتے۔ لیکن علی بھائی ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ اور سر جھکا کر ان کی باتیں سنتے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ اس کے بعد عموماً ہم دونوں ایک ساتھ باہر نکلے لیکن انھوں نے ایک بار بھی دبے لفظوں میں ہی سہی ان کی شکایت نہیں کی۔ دوسری طرف افسر مذکور کا رویہ یہ ہوتا کہ جب ان کی غیر موجودگی میں ان کے بارے میں گفتگو ہوتی تو وہ ان کی بے حد تعریف کرتے اور کہتے کہ اگر علی بھائی زود گوئی ترک کر دیں اور سنجیدگی کے ساتھ شاعری کریں تو بہت اچھے شاعر ہو سکتے ہیں۔ انھوں نے ان کی پیٹھ پیچھے کبھی بھی ان کا مذاق نہیں اڑایا بلکہ عزت کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔ میں کبھی

کبھار سوچتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟ تو دل و دماغ سے جواب آتا ہے کہ برقی اعظمی کی صلاحیت و قابلیت اور اس کے ساتھ ہی ان کی شرافت کے قائل وہ بھی ہیں اور انھیں اس کا احساس بھی ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کی اردو اور فارسی سروس میں ایسا قابل ترین شخص کوئی دوسرا نہیں ہے۔ لیکن ان کی عادتوں اور ان کی سادہ لوح طبیعت کے پیش نظر وہ ان کو چھیڑنے پر مجبور ہو جاتے۔ صرف وہی کیوں، میں ایسے کئی لوگوں سے واقف ہوں جو ان کے سامنے تو انھیں باتوں میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن غائبانہ میں ان کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں۔ اور یہ بات درست بھی ہے کہ آل انڈیا ریڈیو کے اردو اور فارسی شعبے میں ان سے قابل کوئی دوسرا شخص نہیں ہے۔ (اب تو علی بھائی اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں)۔

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی سے تعلق اور ان کی شاعری کے پیش نظر اگر کوئی ان کی شخصیت کا مطالعہ کرنا چاہے تو پھر ان کی شخصیت کی پرتیں بیک وقت کھلنے کے بجائے رفتہ رفتہ کھلیں گی۔ یہ نہیں کہ 'اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے'۔ لیکن جوں جوں ان کی شخصیت کی پرتیں کھلتی جائیں گی، ایسا محسوس ہونے لگے گا کہ ہم ان کی شاعری کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح ان کی شاعری کے بالاستیعاب مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ احساس قوی ہوتا جائے گا کہ ہم برقی اعظمی کی شاعری کا نہیں بلکہ ان کی طبیعت اور ان کی شخصیت کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ گویا ان کی شاعری اور شخصیت دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ ان کو ان کی شاعری سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا اور ان کی شاعری کو ان کے مزاج سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ حالانکہ عام طور پر شعراء یا فنکار اپنی شاعری اور فنکاری سے الگ نظر آتے ہیں۔ یعنی ان میں تضاد ہوتا ہے۔ لیکن ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ نہ داخلی نہ خارجی۔ دونوں حالتیں ایک دوسرے میں مدغم ہیں۔ ان کو الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔

علی بھائی کی شاعری میں ان کی ذات تو پوری طرح موجود ہے ہی ان کی ذات کا کرب بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ کرب جو بیرونی اور اندرونی دنیا سے عبارت ہے۔ انھیں باہر سے جو

کچھ ملا ہے اور اندر سے بھی جو کچھ ملا ہے وہ سب ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ لیکن اشاروں کنایوں میں۔ نہ تو کہیں بھونڈا پن ہے اور نہ ہی حالات کا پر شور شکوہ۔ ساری باتیں بہت ہی سلیقے کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن عام قاری کو وہ نظر نہیں آئیں گی۔ البتہ جو ان سے ذاتی طور پر واقف ہے وہ ضرور کچھ نہ کچھ سمجھ جائے گا۔ سچ بات یہ ہے کہ زمانہ نے ان کی قدر نہیں کی۔ زمانہ کو چھوڑیے، اپنوں سے بھی انھیں وہ محبت، اپنائیت اور عزت و وقار حاصل نہیں ہوا جس کے وہ مستحق ہیں۔ لیکن برقی اعظمی 'نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ' میں یقین رکھتے ہیں۔ اسی لیے بہت سی بیرونی و اندرونی ناہمواریوں کے باوجود ان کی زندگی میں بظاہر کوئی کجی نظر نہیں آتی۔ اپنے بے تکلف دوستوں سے گفتگو میں وہ بہت سی باتیں ضرور بتاتے ہیں لیکن لطف لے لے کر۔ اپنی ناقدری کو بھی وہ لطف لے کر بتاتے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے کوئی ایسا واقعہ بتایا ہو جس سے ان کو تکلیف پہنچی ہو اور انھوں نے اس پر دکھ یا ملال کا اظہار کیا ہو۔ وہ ان واقعات سے بس ایسے گزر جاتے ہیں جیسے گلشن میں چہل قدمی کرتے وقت کچھ کانٹے آجائیں اور ان سے دامن کشاں گزر جایا جائے۔

میں علی بھائی کی شاعری پر کچھ زیادہ اظہار خیال نہیں کروں گا۔ کیونکہ ایک درجن سے زائد لوگوں نے ان کی شاعری پر مضامین قلمبند کیے ہیں اور اب ان کی شاعری کا کوئی ایسا گوشہ بچا نہیں ہے جس پر کچھ لکھا نہ گیا ہو۔ ہاں یہ بات ضرور کہنا چاہوں گا کہ اگر وہ اپنی زود گوئی پر ذرا سا انکش لگائیں اور اپنے بعض ہلکے اشعار کو قلم زد کرنے کی جرأت اپنے اندر پیدا کریں تو بہت اچھے شاعر بن سکتے ہیں۔ کبھی کبھی تو حیرت ہوتی ہے کہ ادھر گفتگو ہوئی اور ادھر پوری غزل یا نظم ردیف و قافیہ کے قالب میں ڈھل کر سامنے آگئی۔ لیکن اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان کی طبیعت ایسی موزوں ہے کہ وہ خواہی نہ خواہی غزلیں کہتے رہتے ہیں۔ برقی اعظمی کے مزاج اور ان کی طبیعت میں جو شعریت اور موزونیت ہے وہ ان کے والد اور استاد الشعرا جناب رحمت الٰہی برق اعظمی کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ برق اعظمی اپنے دور کے ایک

قادرالکلام اور استاد شاعر تھے۔ علی بھائی نے ان کا کلیات شائع کروایا اور دہلی میں اس کا اجرا عمل میں آیا۔ ان کو اپنے والد کے بے شمار اشعار یاد ہیں۔ وہ اپنے والد کی روایتوں کے امین بھی ہیں اور پاسدار بھی۔ وہ انھیں آگے بھی بڑھا رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہیں ہوگا کہ وہ برق اعظمی کی شاعری اور ان کی روایت کے سچے نمائندہ ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں کہ اگر پسر پدر کی روایتوں کو آگے نہ بڑھائے تو اسے اپنے باپ سے کیا نسبت۔ ہو سکتی ہے۔ انٹرنیٹ کے انقلاب نے ان کے اندر بھی انقلابی تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کیسے انھوں نے اتنے کم عرصے میں کمپیوٹر سیکھ لیا اور انٹرنیٹ کے بحر ذخار میں غوطہ بھی لگا لیا۔ آج ہندوستان اور پاکستان اور پوری اردو دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جو انٹرنیٹ میں اس قدر غرق ہو۔ کسی کانفرنس یا مشاعرے میں ہیں۔ ابھی پروگرام چل ہی رہا ہے کہ انھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے اس کی رپورٹ بنائی اور کئی ویب سائٹوں کو پوسٹ کر دی۔ پروگرام ختم ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ ان کی باتیں یا ان کی آواز پوری اردو دنیا میں پہنچ گئی ہے۔ وہ فیس بک کے بھی شہنشاہ ہیں۔ دن بھر میں جانے کتنی بار فیس بک پر اپنا پیج اپ ڈیٹ کرتے ہیں یا غزل اور شعر پوسٹ کرتے رہتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کوئی تصویر پوسٹ کریں گے تو اس کا کیپشن بھی منظوم ہی ہوگا۔ بالخصوص ان تصویروں کا جو ان کو عزیز ہوں۔ علی بھائی بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں۔ میں اپنی بات ان کے ہی ایک شعر پر ختم کرتا ہوں:

شعورِ معرفت مضمر ہے برقی خود شناسی میں
''خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا''

سہیل انجم

قلبی واردات اور عصری رُجحانات کے شاعر

ڈاکٹر احمد برقیؔ اعظمی

ضلع اعظم گڑھ کی مردم خیز مٹّی نے کیفی جیسے گوہر آبدار و تابدار پیدا کئے ہیں جنہوں نے پوری دُنیائے ادبیات میں اعظم گڑھ کا نام روشن کیا ہے۔ شہرت و شہامت کے سرتاج شاعر جناب احمد علی برقیؔ اعظمی کا خمیر بھی اسی ضلع کی زرخیز مٹّی سے اُٹھا ہے۔ موصوف گذشتہ کئی دہوں سے اُردو ادب کی خدمت کا فریضہ پائے استقلال کے ساتھ بڑی مستعدی سے لگاتار انجام دیتے چلے آرہے ہیں۔ آپ مقامی مشاعروں میں ہی نہیں بلکہ جموں کشمیر کے مشاعروں میں ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگراموں میں مشارکت فرما کر داد و ستائش اور تحسین و تہنیت کے گرانقدر نذرانے وصول کرتے رہے ہیں۔ اس کے پہلو بہ پہلو ان کی نگارشات بین الملکی اور سرحد پار کے مؤقر رسائل و جرائد کے سرقرطاس ابیض بھی گہر افشاں ہو کر ارباب نقد و نظر اور حلقہ ہائے تشنگانِ شعر و سخن کی تعریف و توصیف سے متصف ہوتی رہتی ہیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ ان کا دوسرا شعری مجموعہ زیر عنوان (محشرِ خیال) منظر عام پر آرہا ہے۔

احمد علی برقیؔ اعظمی حمد، مناجات، نعت، منقبت، قطعہ، اور نظم جیسی متعدد اصناف میں اپنے تخلیقی اور فنی جوہر آزما چکے ہیں۔ لیکن ان کا پہلا حوالہ پہلی ترجیح اور پہلی محبت اگر کوئی ہے تو بس غزل ہے۔ جس کی توثیق انہیں کے درج ذیل اشعار سے خود بخود ہو جاتی ہے ۔

احساس کا وسیلۂ اظہار ہے غزل
آئینہ دار ندرتِ افکار ہے غزل

اردو زبان دل ہے، غزل اس کی جان ہے
نوعِ بشر کی مونس و غمخوار ہے غزل

پہلے ''حدیثِ دلبری'' کہتے تھے اس کو لوگ
اب ترجمانِ کوچہ و بازار ہے غزل

مشاطۂ عروسِ غزل ہے مری رفیق
ہر غم سے بے نیاز غزل کہہ رہا ہوں میں

احمد علی برقیؔ اعظمی شاعری میں بڑھتی جدّت کی لایعنیت اور الجھن بھرے رویّے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ شاعری کی جڑیں روایت میں پیوست ہیں اس لئے وہ روایت کی بنیاد پر قائم و مستحکم رہ کر ہی اپنی زبان میں عصر حاضر کی سچائیوں کو بیان کرنا پسند فرماتے ہیں اور فن کی آبیاری اپنے خون جگر سے کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں ہُنر بولتا ہے کیونکہ شہر کیفی و شبلی کی آبرو کا بھرم رکھنے کے لئے وہ بہت سوچ سمجھ کر شعر کہتے ہیں۔

برقیؔ شُستہ و شائستہ، شگفتہ اور سلیس و سادہ زبان میں شعر کہنا پسند کرتے ہیں۔ روایت کی بنیاد پر انہوں نے جدید طرز کی عمارت تعمیر کی ہے۔ وہ سادگی میں پرکاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ موقع محل کے لحاظ سے وہ استعارات و علامات اور رمز و اشارات سے بھی کام لینے میں گریز نہیں کرتے۔ مگر یہ علامتیں معنی کے افہام و تفہیم کی راہ کا روڑہ نہیں بنتیں۔ ہر معیار کا قاری ان کے اشعار کے مطالب و معانی تک بآسانی رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ ان کی شاعری میں ارضی صداقت، تلخ و ترش سچائیوں کے منظرنامے بھی جلوہ طراز نظر آتے ہیں۔ ان کی بصارت و بصیرت درک و آگہی اور مشاہدات و تجربات، ہی پرواز تخیل اور فنی بالیدگی کی معاونت سے ان کے شعری پیکر میں ڈھل جاتے ہیں۔ مذہبی، نسلی، علاقائی، لسانی اور فرقہ

وارانہ تعصب، فرقہ وارانہ فسادات، دہشت گردی، آتشزدگی، خوں خرابہ، رشتوں کی بے حرمتی، بزرگوں کی بے ادبی جیسے رُجحانات وواقعات جو آج عہد جاریہ کا مقدر بن گئے ہیں۔ ان کو برقیؔ نے بڑے پروردگارانہ، آفریدگارانہ، خلاقانہ، ہنرورانہ، فنکارانہ، مخلصانہ، ساحرانہ اور والہانہ انداز میں شعری اظہار کا خلعت فاخرہ زیب تن کرایا ہے۔ عصر حاضر کے متصور اُن کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے ؎

حائل ہے اگر بیچ میں یہ امن وسکوں کے
تم ظلم کی دیوار کو ڈھا کیوں نہیں دیتے

جو جیسا کرے گا وہ یہاں ویسا بھرے گا
ڈستے ہیں اُسے اب وہی جو سانپ ہیں پالے

مزدور کا حق مار کر کے جو کی ہے اکٹھا
اب اس سے سنبھلتی نہیں دولت وہ سنبھالے

رزم گاہِ زیست میں ہر گام پر خنجر ملے
راہزن تھے قافلے میں مجھ کو جو رہبر ملے

مادیت کا ارتقا ہی تہذیب کے زوال کا باعث ہے۔ اس زوال زدہ معاشرے میں بد سے بدتر حالات کے باوجود برقیؔ مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ وہ گُم گشتہ رومانی قدروں کا احترام کرتے ہوئے محبت واخلاص کے سروکار سے ماضی کی عظیم الشان روایت کو بحال کرنے میں جی جان سے جٹے ہیں ؎

اسوۂ حیدرِ کرار کو رکھ پیشِ نظر
رزم میں سینۂ اغیار میں ڈر پیدا کر

وقت یکساں نہیں رہتا ہے ہمیشہ برقیؔ
شبِ تاریک کے دامن سے سحر ہیدا کر

میرا یہی ہے کاتبِ تقدیر سے سوال
کیا ہوگی اپنی عظمتِ رفتہ کبھی بحال

جن میں کوئی بھی نہیں ہے آدمیت کا نشاں
''جانے کس بنیاد پر انسان کہلاتے ہیں لوگ''

امنِ عالم کی فضا ہموار ہونا چاہیئے
آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہیئے

روایتی شاعری سے لے کر مابعد جدید شاعری تک شاعری کا لازوال اور اہم ترین موضوع عشق و عاشقی اور حسن و جمال کی معاملہ بندی رہا ہے۔لہٰذا حکایات بایار گفتن کے مصداق برقی نے بھی اس زرخیز زمین میں خوب خوب گل بوٹے کھلائے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہیں اس کے دستِ ناز میں دلکش حنا کے پھول
اظہارِ عشق اس نے کیا ہے دکھا کے پھول
اُس کے خرامِ ناز کا عالم نہ پوچھیئے
ہیں دلفریب غمزہ و ناز و ادا کے پھول

کیف و سرورِ عشق میں بل کھا کے پی گیا
اُس کی نگاہِ مست سے بل کھا کے پی گیا

بات ہے ان کی بات پھولوں کی
ذات ہے ان کی ذات پھولوں کی

وہ مجسم بہار ہیں ان میں
ہیں بہت سی صفات پھولوں کی
شمیمِ زلف سے اُن کی فضا تھی عطر بدوش
مشامِ جاں تھی معطر جہاں جہاں گزرے

برقی اپنے سینے میں ایک خود دار دل رکھتے ہیں۔

نیاز مندی کی حد سے برقی کبھی تجاوز نہیں کیا ہے
ستمگروں کو سلام ہم نے نہیں کیا ہے نہیں کریں گے

عزتِ نفس ہے برقی کو عزیز
وہ اُٹھائے گا نہیں دستِ سوال

ڈاکٹر مجیب شہزر
9/110 Tan Tan Para Kanker Street
Aligarh (U.P.) Mob. 9837684430

برقی اعظمی اور اُن کی قادرالکلامی

ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی اُردو شعروشاعری کا ایک نہایت معتبر نام ہے۔ جناب برقیؔ اعظمی کو اُردو، فارسی، انگریزی اور ہندی زبانوں پر یکساں عبور حاصل ہے۔ انہیں شعر گوئی کا فن اپنے والد جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی مرحوم جن کا شمار اپنے عہد کے استاذ الشعرا میں ہوتا تھا، سے وراثت میں ملا، برقؔ اعظمی صاحب کو جانشین داغؔ نوح ناروی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، یہی وجہ ہے کہ برقیؔ اعظمی کے کلام میں دبستان داغؔ کا بھرپور رنگ نظر آتا ہے۔ موصوف نے اپنے اشعار میں جابجا اپنی اس وراثت کا بخوبی اظہار کیا ہے:

ملا ہے برقؔ سے برقیؔ کو وہ وراثت میں
شعور فکر جو عرض ہنر میں رہتا ہے

اگرچہ برقیؔ اعظمی کا کلام اُردو اور فارسی دونوں زبانوں کی زینت ہے۔ لیکن انہوں نے بیشتر اپنا بیش بہا شعری سرمایہ اُردو ادب کو عطا کیا ہے۔ موصوف نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ برقیؔ اعظمی کے شعری سفر کا آغاز موضوعاتی شاعری سے ہوا مگر انہوں نے سائنسی موضوعات پر بے شمار ایسی نظمیں لکھی ہیں جن پر اُردو شعری ادب میں بہت کم شعرا نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ اُردو ادب میں موضوعاتی شاعری کی تاریخ برقیؔ اعظمی کے بغیر نامکمل ہوگی۔ برقیؔ اعظمی کو غزل گوئی میں مہارت تامہ حاصل ہے۔ برقیؔ اعظمی کی غزلیں عشقیہ سوز و گداز، تغزل اور اخلاقیات کے مضامین سے معمور نظر آتی

ہیں۔ اُن کی غزلیہ شاعری عصری کرب کا بہترین منظر نامہ ہے۔ شاعر کو زبان و بیان پر ایسی قدرت حاصل ہے کہ وہ فرسودہ سے فرسودہ مضامین کو شعری پیکر میں یوں ڈھال دیتا ہے کہ اُن میں بلا کی جدت و ندرت پیدا ہو جاتی ہے:

طبیعت ہے برقیؔ کی جدت پسند
کسی نے نہیں، جو کیا کر چلے

برقیؔ اعظمی کی قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ وہ جب اور جس موضوع پر چاہتے ہیں فی البدیہہ اشعار کا انبار لگا دیتے ہیں۔ موصوف جب کسی کو دادِ سخن بھی دیتے ہیں تو وہ منظوم ہوا کرتی ہے۔ اگر اس زمرہ میں آنے والے اشعار کو یکجا کر لیا جائے تو بدیہہ گوئی پر ایک کیا، کئی دواوین مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ برقیؔ اعظمی کی تقریباً پانچ ہزار سے زاید غزلیں کمپیوٹر کی ہارڈ ڈیسک کریش ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئیں مگر اب بھی اُن کی ہزاروں غزلیں فیس بک اور اُردو کی مختلف معتبر عالمی ویب سائٹوں کی زینت ہیں۔

ایسے اشعار جن کی نثر نہ بنائی جا سکے وہ سہل ممتنع کے زمرے میں آتے ہیں۔ برقیؔ اعظمی کے اشعار سہل ممتنع کا بہترین نمونہ ہیں۔ چند اشعار بطور مثال ملاحظہ فرمائیں:

جیسے پہلے ملا تھا میں تم سے
تم بھی دیوانہ وار آ جاؤ
ہے تمہاری شکست میری شکست
مان لوں گا میں ہار آ جاؤ
میں تمہاری کروں گا دلجوئی
تم ہو کیوں اشکبار آ جاؤ
تم ستاؤں گے کتنا برقیؔ کو
ہو اگر غمگسار آ جاؤ

برقی اعظمی کی شاعری حوادث روزگار کا بہترین منظر نامہ ہے جس کا ذکر جا بجا اُن کے اشعار میں دیکھنے کو ملتا ہے:

ہیں میرے اشعار عصری کرب کے آئینہ دار
قلب مضطر ہے میرا سوز و دروں سے بیقرار

آپ پر ہونگے اثرانداز جو بے اختیار
میری غزلوں میں ملیں گے شعر ایسے بے شمار

ہر اک جانب بپا ہے ایک محشر
مگر اخبار چپ سادھے ہوئے ہیں
امیرِ شہر اب تک سورہا ہے
جو ہیں بیدار چپ سادھے ہوئے ہیں

امیرِ شہر اب تک سورہا ہے
جو ہیں بیدار چپ سادھے ہوئے ہیں

تیرے دستورِ زباں بندی سے ڈرلگتا ہے
کس طرح چلتی ہے سرکار کہوں یا نہ کہوں
تیز تلوار سے ہے ایک صحافی کا قلم
آج کی سرخی اخبار کہوں نہ کہوں

اگرچہ عہد حاضر میں اخلاقی قدریں رو بہ زوال نظر آتی ہیں مگر امید کی روشنی برقی اعظمی کے اشعار میں بدرجہ اتم دیکھنے کو ملتی ہے۔ برقی بذات خود ایک نیک طبیعت، بے ضرر اور انسان دوست واقع ہوئے ہیں۔ شاعر کا دل انسانی ہمدردی کے جذبات سے سرشار نظر آتا ہے۔ سچ بولنا اُن کی فطرت میں شامل ہے، اُن کے مندرجہ ذیل اشعار اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں:

نہ کام آئے کسی کے جو زندگی کیا ہے
بشرنواز نہ ہو جو وہ آدمی کیا ہے

اخلاقی قدروں کے زوال پر برقیؔ اعظمی کی بیقراری ملاحظہ ہو:

ہے آفت جاں اپنے لیے مغربی تہذیب
لوٹادے مجھے اپنی کوئی مشرقی تہذیب
ہے مشرقی تہذیب رواداری کی مظہر
بے راہ روی کا ہے سبب مغربی تہذیب
اقدار کہن میں تھی نہاں عظمتِ رفتہ
ہوگی نہ عیاں کیا وہ دوبارہ کبھی تہذیب
اسلاف سے ہے نسل جواں اپنے گریزاں
ہے رو بہ زوال اپنی وہ اچھی بھلی تہذیب
دیکھو جسے کرتا ہے روایت سے بغاوت
اچھائی پہ ہے آج مسلط بُری تہذیب
محفوظ نہیں آج بزرگوں کا تقدس
تھی پہلے جو موجود کہاں کھوگئی تہذیب
باز آئے ہم اس دورِ ترقی کی روش سے
مطلوب ہے برقیؔ ہمیں اپنی وہی تہذیب

اُردو کے معروف ناقد پروفیسر کلیم الدین احمد نے غزل میں تسلسل مضامین نہ ہونے کی وجہ سے غزل کو ''نیم وحشی صنفِ سخن'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ فراقؔ گورکھپوری کے علاوہ اُردو ادب کے دوسرے بڑے شعرا کی غزلوں میں تسلسل مضامین کا فقدان نظر آتا ہے۔ اگر آج کلیم الدین احمد بقیدِ حیات ہوتے تو شاید برقیؔ اعظمی کی تسلسل مضامین سے آراستہ و پیراستہ غزلوں کو پڑھ کر اُن کی یہ شکایت دور ہو جاتی اور وہ بھی غزل کو اُردو شاعری کی

آبرو کہنے پر مجبور ہو جاتے۔ برقیؔ اعظمی کی اکثر و بیشتر غزلوں میں تسلسل مضامین دیکھنے کو ملتا ہے۔ مشتے از خروارے اس ضمن میں اُن کی ایک غزل حسب ذیل ہے:

ملنا ہے اگر مجھ سے تجھے آ کے ابھی مل
سینے میں دھڑکتا ہے مرے پیار بھرا دل
منجدھار میں ہے کشتیِ دل ڈوب نہ جائے
کب جانے ملے گا مری امید کا ساحل
دروازۂ دل پر مرے کب دے گا وہ دستک
جس کے لیے بیچین ہوں وہ مجھ سے غافل
ڈر ہے یہ مرا شیشہ دل ٹوٹ نہ جائے
یہ ایسے تڑپتا ہے ہو جیسے کوئی بسمل
پر کیف ہیں یہ جس کی یہ کنکھیوں کے اشارے
وہ جس میں نہ موجود ہو بے رنگ ہے محفل
تھا اُس کے لیے اپنے دل و جاں سے جو پیارا
برقیؔ کی تمنّاؤں کا نکلا وہی قاتل

تغزل و عشقیہ مضامین برقیؔ اعظمی کی شاعری میں مکمل آب وتاب کے ساتھ نمایاں ہیں۔ برقیؔ اعظمی کا رنگِ تغزل ملاحظہ فرمائیں:

مجھے تمہارے سوا کچھ نظر نہیں آتا
تمہارا حُسن مرے ذہن و دل پہ چھایا ہے
تمہاری زلف دوتا ہے جو مرے شانے پر
سکون قلب کا باعث اُسی کا سایہ ہے
کھلا ہے آپ چلے آیئے دریچۂ دل
پڑھا نہیں ہے ابھی کیا مرا صحیفۂ دل

دھڑک رہے ہیں فقط آپ اس کی دھڑکن میں
سوائے آپ کے کوئی نہیں وظیفۂ دل
اُس کی شراب ناب سے بڑھ کر ہے چشمِ مست
جس کے بغیر لطف مے و میکشی نہیں

اگر چہ برقیؔ اعظمی کی شاعری ندرتِ فکر ونظر کی آئینہ دار ہے مگر وہ کلاسیکی ادب سے از حد متاثر نظر آتے ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:

میرؔ کا سوز دروں ، غالبؔ کا حُسنِ فکر وفن
داغؔ کی شیرینی گفتار ہے اُردو غزل

برقیؔ اعظمی نے مشاہیر ادب پر یادرفتگاں کے عنوان کے تحت بے شمار منظوم تاثرات قلمبند کئے ہیں جو اُردو ادب کا لازوال سرمایہ ہیں۔ اگر اُن کی اس زمرے کی نظموں کو بھی یکجا کیا جائے تو مشاہیر ادب کی ایک منظوم تاریخ مرتب ہوسکتی ہے۔

برقیؔ اعظمی دراصل فارسی زبان وادب کے طالب علم رہے ہیں۔ انہوں نے فارسی ادب میں ہی پی ایچ ڈی کی ڈگری جواہر لعل نہرو یونیورسٹی دہلی سے حاصل کی ہے اور وہ آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ فارسی کی خارجی نشریات سے گذشتہ ۳۳ سال تک وابستہ رہے اور ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ کو ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی عارضی طور سے اسی شعبے میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے فارسی نظموں اور غزلوں کے علاوہ فارسی کے کلاسیکی شعرا کے اشعار کا نہایت ہی برجستہ اُردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے جن کے طبع زاد ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

مجھے امید قوی ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ برقیؔ اعظمی کے اس شعری مجموعہ "محشرِ خیال" کی بھی ادبی حلقوں میں اُن کے پہلے شعری مجموعے "روحِ سخن" کی طرح ہی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

محمد ولی اللہ ولیؔ

انچارج شعبۂ نشریات فارسی

آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی

ایک منظوم تعارف

احمد علی برقیؔ اعظمی

پوچھتے ہیں مجھ سے وہ میرا تعارف کیا کہوں
میرے والد برقؔ تھے اور میں ہوں برقیؔ اعظمی
شہرِ اعظم گڈھ ہے یوں تو میرا آبائی وطن
کھینچ لائی شہرِ دہلی میں زبانِ فارسی
ریڈیو کے فارسی شعبے سے ہوں اب مُنسلک
ضوفگن ہے برقؔ سے برقیؔ کے فن کی روشنی
اردو کی ویب سائٹوں پر کرتا ہوں عرضِ ہُنر
میرا فطری مشغلہ ہے چونکہ عصری آگہی
میری خوئے بے نیازی ہے مجھے بیحد عزیز
میرے ادبی ذوق کی مظہر ہے میری شاعری
ہوتا میں بھی گر زمانہ ساز تو سب جانتے
ہوں مقامی سطح پر اب تک شکارِ بے رُخی

یوں تو ہوں اربابِ دانش میں سبھی سے روشناس
مجھ کو شاید وہ سمجھتے ہیں ابھی تک مبتدی
ہیں فصیلِ شہر سے باہر ہزاروں قدرداں
باعثِ ذہنی سکوں ہے اُن سے میری دوستی
میرے والد کا تصرف ہے مرا عرضِ ہُنر
ان کے فکر و فن کی ہے میرے سخن میں تازگی
جملہ اصنافِ سخن سے یوں تو ہے مجھ کو لگاو
ہے یہ یادِ رفتگاں وجہِ نشاطِ معنوی
پہلے موضوعاتی تھا عرضِ ہُنر کا دایرہ
میری غزلوں میں بھی ہے جس سے تسلسل آج بھی
پہلے مجموعے کا میرے نام ہے روحِ سخن
کر رہا ہوں نذر یہ مجموعہ میں احباب کی
شہر اعظم گڈھ ہے برقیؔ یوں تو میری زادگاہ
شہرِ دہلی میں بسر کرتا ہوں اب میں زندگی

محشر خیال

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

مناجات بہ درگاہ قاضی الحاجات

احمد علی برقیؔ اعظمی

موجِ طوفاں سے بچادے یارب
''خوابِ غفلت سے جگادے یارب''
عملِ خیر کی دے کر توفیق
نیک کاموں کی جزا دے یارب
جو خطائیں ہوئیں ہم سے سرزد
اُن کی ہم کو نہ سزا دے یارب
مُنتشر جن کا ہے شیرازۂ ذہن
فضل سے اپنے سجا دے یارب
دین و دنیا رہیں جس سے محفوظ
روح کی ایسی غذادے یارب
جس پہ چلتے ہیں ترے شیدائی
راہ وہ ہم کو دکھا دے یارب

آہِ مظلوم نہ جائے بیکار
بے نواؤں کو نوا دے یارب
جو مِٹانے پہ تُلے ہیں ہم کو
خاک میں اُن کو مِلا دے یارب
جن کا ہے نامۂ اعمال سیاہ
اپنا گرویدہ بنا دے یارب
ہیں جو محبوس اُنھیں کردے رہا
فیصلہ اپنا سُنا دے یارب
کرکے ظالم کے مظالم معدوم
ظلم کی عمر گھٹا دے یارب
دستِ قدرت میں ہے تیرے سب کچھ
میری بگڑی کو بنادے یارب
جو ہیں بیمار اُنھیں تو اپنے
دستِ قدرت سے شفا دے یارب
جو بھی مقروض ہیں تیرے بندے
قرض کو ان کے چُکا دے یارب
کرکے برقیؔ کا کشادہ سینہ
علم کو اُس کے جِلا دے یارب

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

دامنِ دل ہر شخص کا بھر دے یا اللہ
سب کو سکونِ قلب و جگر دے یا اللہ
تیری سخاوت سے نہ رہے کوئی محروم
رزق کشادہ سب کا کردے یا اللہ
جس سے روشن ہو اُس کے اجداد کا نام
سب کو ایسا نورِ نظر دے یا اللہ
جو بھی ہیں اولاد کی نعمت سے محروم
اُن کو دختر اور پسر دے یا اللہ
جو بھی کہیں مظلوم ہو ساری دنیا میں
آہ و فغاں میں اُس کی اثر دے یا اللہ
ہو نہ کوئی فُٹ پاتھ پہ سونے کو مجبور
جو بے گھر ہیں اُن کو گھر دے یا اللہ

دنیا اور عقبیٰ کے لئے جو ہو مطلوب
ہو وہ سعادتمند اگر، دے یا اللہ
ہو جو جہالت کی تاریکی سے محفوظ
سب کو وہ پُرنور سحر دے یا اللہ
آئے تیرا جلوۂ زیبا جس میں نظر
ہم کو ایسا ذوقِ نظر دے یا اللہ
فضل سے دے اپنے بیماروں کو بھی شفا
نخلِ مراد میں سب کے ثمر دے یا اللہ
جو بچے ہیں ملک و قوم کا سرمایہ
اُن کو ایسا علم و ہُنر دے یا اللہ
ہو جائیں تاریخ کا جس سے وہ حصہ
علم کے ایسے لعل و گُہر دے یا اللہ
نورِ بصیرت سے جو کرے دل کو معمور
رزقِ حلال وہ شام و سحر دے یا اللہ
حج کی سعادت سے نہ رہے برقیؔ محروم
اس کو بھی وہ عزمِ سفر دے یا اللہ

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

خدایا کرم گستری کر ہماری
ترا فیضِ رحمت ہے ہر سمت جاری
نہیں کوئی شے تیری قدرت سے باہر
ہیں شاہ و گدا تیرے در کے بھکاری
ہے فصلِ خزاں آج اپنا مقدر
ہر اک سمت چلتی ہے بادِ بہاری
نہیں کوئی پُرسانِ حال اب ہمارا
ہے ملت پہ ہر وقت اک خوف طاری
جو مغلوب تھے آج ہم پر ہیں غالب
ہے منجدھار میں آج کشتی ہماری
خدایا ہمیں اُن سے محفوظ رکھنا
نیا جال لائے پرانے شکاری
ہماری زمیں تنگ ہے اب ہمیں پر
ہے اب اوج پر دورِ سرمایہ داری

ہے ارضِ فلسطین پر قتل و غارت
سبھی کر رہے ہیں وہاں آہ و زاری
نئی بستیاں اب وہاں بس رہی ہیں
مقدس جہاں سرزمیں تھی ہماری
کوئی کام لیتا ہے میزائلوں سے
کوئی کررہا ہے فقط سنگباری
مسلط ہیں مشرق پہ اقوام مغرب
ملے گی ہمیں اُن سے کب رستگاری
عطا کر ہمیں زورِ بازوئے حیدر
سلامت رہے جذبۂ جاں نثاری
رہیں دین و دنیا میں اب سرخرو ہم
دعا تجھ سے ہے یہ بصد انکساری
ہمیں اور آئندہ نسلوں کو یارب
میسر رہے تیری طاعت گذاری
ہیں ہم اجنبی اُس گلستاں میں برقیؔ
کی خونِ جگر سے جہاں آبیاری

●

کلمۂ کُن کا استعارا تو
منبعِ نور و عالم آرا تو
تجھ سے روشن ہے عالمِ امکاں
ہے ہر اک شے سے آشکارا تو
نہ کہوں تجھ سے گر تو کس سے کہوں
کرلے یہ التجا گوارا تو
کررہا ہے جو ظلم و استبداد
کردے اب اس کو پارہ پارہ تو
اپنی برداشت سے ہے جو باہر
دور اب کردے یہ خسارہ تو
ہم زمانے کے ہیں ستائے ہوئے
ہے سہارا فقط ہمارا تو
کردے برقیؔ کے بھی گناہ معاف
بے سہاروں کا ہے سہارا تو

نعت فارسی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نازشِ دوراں نظامِ مصطفی است
''آبروی ما زِ نامِ مصطفی است''

مدح خوانش هست ربِ کائنات
حامل قرآن نظامِ مصطفی است

خلق شد از نورِ او کون و مکان
عالمِ امکان بنامِ مصطفی است

بادۂ عرفان زِ حوضِ کوثر است
مستئ قلبم زِ جامِ مصطفی است

می نماید آن صراطِ مستقیم
رهنمای من کلامِ مصطفی است

روشنئ دیده ام از نور اوست
درنگاهم احترام مصطفی است

آشکار است عظمتش بعد از خدا
تاجداری هم غلامِ مصطفی است

در جهانِ آب و گِل برقی مدام
حکم فرما فیضِ عامِ مصطفی است

نبی کی ذات پہ ہے وجہِ افتخار درود

نبی کی ذات پہ ہے وجہِ افتخار درود
ہے ذہن و دل کے لئے باعثِ قرار درود
زبانِ خلق پہ جاری ہے بار بار درود
حریمِ قُدس میں پڑھتا ہے کردگار درود
ہے کون اُن کے سوا جس پہ پڑھ رہے ہیں سبھی
غریب و مفلس و نادار و تاجدار درود
انہیں کی ذات ہے وجہِ وجودِ کون و مکاں
ہیں اُن کی شان میں قرآں میں بے شمار درود
خدا نے کھائی ہے قرآن میں قسم جس کی
ہو اُن کی زُلفِ معنبر پہ مشکبار درود
ہے فکر جن کی شفاعت کی ہر گھڑی ان کو
پڑھیں نہ اُن پہ بھی کیوں اُن کے جاں نثار درود

ردائے احمدِ مُرسل سے سرفراز ہیں جو
ہے نعت گوئی میں حسان کا وقار درود
اُنہیں کی مدح و ثنا ہے قصیدۂ بردہ
درود تاج بھی ہے ایک شاہکار درود
سکونِ قلب کا باعث ہے اہلِ دل کے لئے
ہے باغِ زیست کی وہ جانفزا بہار درود
جو صدق دل سے ہیں محبوبِ رب کے شیدائی
وہ بھیجتے ہیں بصد عجز و انکسار درود
ہے ان کا وردِ زباں نام بزمِ عرفان میں
ہے صوفیا کے ہمیشہ گلے کا ہار درود
پہنچتا رہتا ہے ہر لحظہ ان کی خدمت میں
براہ راست یہی جوڑتا ہے تار درود
تقاضا فرض شناسی کا ہے یہی برقیؔ
بصد خلوص کریں ان پہ ہم نثار درود

غزلیات

●

کیسے کروں میں گردشِ دوراں کی شرحِ حال
برپا ہے میرے ذہن میں اک محشرِ خیال
سوزِ دروں نے کردیا جینا مرا مُحال
قلب و جگر کے زخم کا کب ہوگا اِندمال
میرا یہی ہے کاتبِ تقدیر سے سوال
کیا ہوگی اپنی عظمتِ رفتہ کبھی بحال
ہم ہیں شکارگاہِ جہاں میں شکار آج
راہِ فرار کوئی نہیں ہے بچھا ہے جال
ملتے ہیں میر جعفرؔ و صادقؔ نئے نئے
ہے بھیڑیوں کے جسم پہ انساں کی آج کھال
جو آج زرخرید ہیں اُن کا عروج ہے
جو سربلند تھے اُنھیں درپیش ہے زوال

بیدار مغز جو ہیں وہ ہیں مصلحت پسند
قحط الرجال ایسا ہے جس کی نہیں مثال
محفوظ جو سمجھتے ہیں اپنے کو ایک دن
کردے گی اُن کو گردشِ دوراں یہ پایمال
ایک ایک کرکے سب کو بنائے گا وہ شکار
شطرنج کی بساط پہ جو چل رہا ہے چال
اب بھی ہے وقت ہوش میں آ ڈس نہ لیں تجھے
تو اپنی آستین میں یہ سانپ اب نہ پال
بیجا مداخلت سے رہیں اُن کی ہوشیار
کرتے ہیں ظلم امن کو جو اب بنا کے ڈھال
مٹتے ہی جارہے ہیں جو عظمت کے تھے نشاں
محفوظ آج کچھ نہیں وہ جان ہو کہ مال
صُبحِ اُمید آئے گی کب تیرگی کے بعد
برقیؔ ہے آج ذہن میں سب کے یہی سوال

●

تختۂ مشق ستم مجھ کو بنانے والا
تھا وہی روز مرے خواب میں آنے والا
منتشر کردیا شیرازۂ ہستی جس نے
خانۂ دل کو مرے تھا وہ سجانے والا
روز کرتا رہا وہ وعدۂ فردا مجھ سے
عمر بھر عہدِ وفا تھا جو نبھانے والا
اُس نے منجدھار میں کشتی کو مری چھوڑ دیا
تھا جو طوفانِ حوادث سے بچانے والا
پہلے کرتا تھا پسِ پردہ مری بیخ کنی
کامیابی کا مری جشن منانے والا
سابقہ جس سے پڑا مصلحت اندیش تھا وہ
''دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ مِلانے والا''
مار ڈالے نہ یہ تنہائی کا احساس مجھے
منتظر جس کا تھا اب وہ نہیں آنے والا
جس سے دلجوئی کی امید تھی نکلا وہ رقیب
جس کو دیکھو ہے وہی مجھ کو ستانے والا
عیش و عشرت کے سدا خواب دکھاتا تھا اسے
غمزہ و ناز سے برقیؔ کو لُبھانے والا

●

کہئے کیسی ہے طبیعت آپ کی
''بولئے کرتا ہوں منت آپ کی''
ہے مجھے بیحد ضرورت آپ کی
مار ڈالے گی یہ فرقت آپ کی
بُت بنے بیٹھے ہیں گُم سُم آپ کیوں
جو بھی ہے کہئے شکایت آپ کی
سر کے بَل آؤں گا ملنے کے لئے
ہے مجھے منظور دعوت آپ کی
کیا ہے وجہِ بدگمانی بولئے
روح فرسا ہے یہ حالت آپ کی
یونہی گُھٹ گُھٹ کر کروں کیسے بسر
راحتِ جاں ہے محبت آپ کی
کیا بنا ڈالا ہے اپنا حال یہ
خوشنما تھی شکل و صورت آپ کی

آپ آجائیں تو سب مِل جائیگا
کیا کروں گا لے کے دولت آپ کی

لگ رہی ہے مجھ کو مِثلِ آئینہ
دیکھ کر مجھ کو یہ حیرت آپ کی

آپ تو اک زندہ دل انسان تھے
اُڑ گئی ہے کیسے رنگت آپ کی

آپ کیا پہلے تھے اور ہیں آج کیا
جانتا ہوں قدر و قیمت آپ کی

جو بنا رکھی ہے حالت آپ نے
کیا ہے یہ میری بدولت آپ کی

اب ہے برقؔی کے لئے صبر آزما
جان لیوا ہے یہ فرقت آپ کی

●

تم آرہے ہو کہ جا رہے ہو
بتاؤ کیوں مُسکرا رہے ہو
یہ کیسا جلوہ دکھا رہے ہو
نگاہ و دل میں سما رہے ہو
کرو گے کیا خاک خانۂ دل
نظر سے بجلی گرا رہے ہو
ملے گا کیا ایسا کرکے تم کو
کیوں مجھ کو ناحق ستا رہے ہو
ہے عارضی کر و فر تمہارا
یہ جشن جو تم منا رہے ہو
منائے گا خیر اپنی کب تک
جسے تم اب تک بچا رہے ہو
لہو پُکارے گا آستیں کا
جو قتل کرکے چھپا رہے ہو
جہاں میں کردے گا تم کو رسوا
جو ظلم برقیؔ پہ ڈھا رہے ہو

●

پرواز میں جو ساتھ نہ دے آسمان پر
''بہتر ہے خاک ڈالئے ایسی اڑان پر''
اب قُرب و بُعد میں نہ رہا کوئی فاصلہ
دنیا سِمَٹ کے آگئی میرے مکان پر
میرا حریف درپئے آزار ہے مرے
مجھ کو ہدف بناتا ہے وہم و گُمان پر
شہہ زور سے کبھی نہیں کرتا مقابلہ
چلتا ہے اس کا زور فقط بے زبان پر
میزانِ عدل کو نہیں لاتا بروئے کار
کرتا ہے انحصار وہ فرضی بیان پر
یہ خوئے بے نیازی ہے مجھ کو بہت عزیز
آئے کبھی نہ حرف مری آن بان پر
جس کی نہیں ہے آج کہیں کوئی یادگار
کرتا ہے فخر وہ مرے نام و نشان پر
دہلی میں ایک شاعرِ گُمنام کا کلام
برقیؔ ہے اب محیط زمان و مکان پر

●

گردش جسے مطلوب ہے گلزار میں آوے
ہے عشق جسے وادیٔ پرخار میں آوے
اک روز کبھی شکل خریدار میں آوے
دیکھے تو ذرا کوچہ و بازار میں آوے
جاتے ہوئے جاوے ہے عزیزوں کو رلاکر
مولود جو روتا ہوا سنسار میں آوے
ہوں سامنے میں اس کے وہ مارے کہ جلاوے
منظور ہے جو بھی نگہہ یار میں آوے
بدنام اگر ہوگا تو کیا نام نہ ہو گا
ہے شوق اسے سرخیٔ اخبار میں آوے
دعوت کا اگر شوق ہے جاوے وہ کہیں اور
کرنے کو سیاست نہ وہ افطار میں آوے
آئینے میں شکل اس کی دکھا دے گا وہ اس کو
برقیؔ کے اگر لطف اسے اشعار میں آوے

●

دیکھ کر اُس کو نہیں ہوش میں آیا جاتا
''خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا''
اس کے دیدار کی پیاسی تھیں نگاہیں اس کی
کاش بیمار محبت نہ ستایا جاتا
ہم تو ہر حال میں راضی بہ رضا تھے لیکن
مان جاتا بخوشی وہ تو منایا جاتا
جس نے نا وقت بجھا دی مری شمعِ امید
مجھ سے وہ وعدہ شکن کیسے بُھلایا جاتا
پھیر لیتا نہ اگر دیکھ کے آنکھیں مجھ سے
دل سے دل ہاتھ سے پھر ہاتھ ملایا جاتا
اُس کی محفل میں کمی کا تھا سبھی کو احساس
ہوتا آنے کو وہ راضی تو بُلایا جاتا
جانے کیوں پیار کے دشمن ہیں زمانے والے
آسماں سر پہ نہیں ایسے اُٹھایا جاتا

ہے یہ کردار کُشی اس کو صحافت نہ کہیں
کرکے بدنام نہیں نام کمایا جاتا
محفلِ عیش و طرب میں نہیں اب جی لگتا
ہوتے گر ساتھ جو تم جشن منایا جاتا
کھو دیا تونے وقار اپنا مری نظروں میں
کر کے احسان نہیں ایسے جتایا جاتا
شکریہ آگئے تم وقت پہ ملنے ورنہ
بارِ غم کیسے اکیلے یہ اُٹھایا جاتا
میرے والد کا تصرف ہے مرا عرضِ ہُنر
ورنہ میں بزمِ ادب میں نہیں پایا جاتا
مصرعہ طرح سے حالی کے قلم تھا مرعوب
ورنہ کچھ زورِ قلم اپنا دکھایاجاتا
بدگمانی کا گذر ہوتا نہ دل میں برقی
رسمِ الفت کو ہمیشہ جو نبھایا جاتا

●

حسبِ وعدہ مجھ سے ملنے وہ کبھی آیا نہیں
اس سے بڑھ کر اور کچھ بھی حوصلہ فرسا نہیں

ہجر تھا اس کا بہت صبر آزما میرے لئے
"غم سے پتھر ہوگیا لیکن کبھی رویا نہیں"

دعوتِ نظارہ دے کر ایسا وہ غایب ہوا
میری آنکھوں نے دوبارہ پھر اسے دیکھا نہیں

کاٹنے کو دوڑتے ہیں مجھ کو یہ دیوار و در
جیسے میں تنہا ہوں ویسے کوئی بھی تنہا نہیں

مُرتَعِش رہتا ہے اب ہردم مرا تارِ وجود
کیا گذرتی ہے مرے دل پر کبھی کہتا نہیں

کررہا ہوں اپنی یہ طرحی غزل نذرِ منیرؔ
ایسا شاعر آج تک میں نے کبھی دیکھا نہیں

کرکے اس کے وعدۂ فردا پہ برقیؔ اعتبار
میں کئی دن تک مسلسل رات بھر سویا نہیں

●

ذہن حیران و پریشان ہے آئے کوئی
سخت مشکل میں مری جان ہے آئے کوئی
جادۂ شوق میں سرگرم سفر ہوں تنہا
دل میں ایسے میں یہ ارمان ہے آئے کوئی
میرے افسانۂ ہستی کو وہ پورا کردے
جس کا باقی ابھی عنوان ہے آئے کوئی
جان بلب مجھ کو سمجھ کر نہ کرے مجھ سے گریز
زندگی کا ابھی امکان ہے آئے کوئی
ہمنشیں جو ملے انسان نما حیواں تھے
مجھ سے ملنے اگر انسان ہے، آئے کوئی
لے کے دل میرا مِلا پھر نہ وہ دلبر مجھ سے
جس پہ قربان مری جان ہے آئے کوئی
یوں تو ہیں حافظِ قرآن بہت ان میں مگر
باعمل حافظِ قرآن ہے، آئے کوئی
یوں تو کہنے کو مسلمان سبھی ہیں برقی
جس کا اسلام پہ ایمان ہے آئے کوئی

●

میں نے اپنے دوستوں کو آزمایا ہے بہت
میرے اپنوں نے ہی خود مجھ کو ستایا ہے بہت

میرے پروردہ تھے جو نکلے وہ مارِ آستیں
میں نے جن سے زندگی میں زخم کھایا ہے بہت

پھر رہے ہیں در بدر گلشن کے اِرد و گِرد وہ
صحنِ گلشن میں جنھوں نے گُل کھلایا ہے بہت

مہرۂ شطرنج بن کر رہ گیا ہوں آج کل
اُنگلیوں پر وقت نے اپنی نچایا ہے بہت

کہہ رہا ہے آج کل وہ صرف اپنے من کی بات
سن رہا تھا جو مری اُس نے سنایا ہے بہت

اُس کے جھانسے میں نہ آؤں گا میں بھولے سے کبھی
سبز باغ ایسا ستمگر نے دکھایا ہے بہت

حاشیہ بردار تھے پہلے جو برقیؔ کے کبھی
خونِ دل اس کا رقیبوں نے جلایا ہے بہت

●

دیکھا تھا جو بھی خواب میں اب کیا ہے کچھ نہیں
اس حسن اور شباب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

میرے لئے تو جیسے وہ کاغذ کا پھول تھا
اُس خوشنما گلاب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

اب ہیں کتابِ زیست کے اوراق منتشر
اس کے ہرایک باب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

مجھ کو دکھا رہا تھا ابھی تک وہ سبز باغ
ہے زندگی عذاب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

خوش فہمی کے شکار تھے وعدے پہ جس کے سب
کیا کیا ملا حساب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

جو کچھ بچا کے رکھا تھا آئندہ کے لئے
سب مِل گیا وہ آب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

میرا سوال اس کے لئے لاجواب تھا
جو کچھ ملا جواب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

کل تک سمجھ رہا تھا جسے جانِ آرزو
اُس حسنِ انتخاب میں اب کیا ہے کچھ نہیں
روشن تھی جن سے شمعِ شبستانِ زندگی
یادوں کے اس سراب میں اب کیا ہے کچھ نہیں
جو لطف اس کی نقرئی آواز میں ملا
اس چنگ اور رُباب میں اب کیا ہے کچھ نہیں
برقی تھا جس کا روئے حسیں مثلِ ماہتاب
اس رشکِ ماہتاب میں اب کیا ہے کچھ نہیں

●

اُس کی دُزدیدہ نگاہی دیکھنا اچھا لگا
''بھیڑ میں اک اجنبی کا سامنا اچھا لگا''
جس کی تصویرِ تصور ذہن میں محفوظ ہے
جادۂ الفت میں اس کو ڈھونڈنا اچھا لگا
گھولنا کانوں میں رَس شیرینیٔ گفتار سے
روح پرور اُس کا ہنسنا بولنا اچھا لگا
مُرتعش ہوتا ہے جس کو دیکھ کر تارِ نَفَس
اُس کا زلفِ خم بہ خم کا کھولنا اچھا لگا
دل سے دل کو راہ ہوتی ہے یہ ہے اس کا ثبوت
جاتے جاتے اُس کا مُڑ کر دیکھنا اچھا لگا
وجد آور تھا گل و بلبل کا ربطِ باہمی
غنچہ و گل سے چمن میں کھیلنا اچھا لگا
ہے جہانِ رنگ و بو میں حسن جس کا انتخاب
اس کا ہونا بزم میں جلوہ نما اچھا لگا
میرے سینے میں دھڑکتا ہے دلِ درد آشنا
اِس لئے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنا اچھا لگا
مُنعکس ہر چیز میں ہوتا ہے برقیؔ جس کا عکس
اس کا چہرہ آئینہ در آئینہ اچھا لگا

●

مشتہر نام کرو تم مرا اخباروں میں
''میں تو شامل ہوں محبت کے گنہگاروں میں''
مر کے بھی زندۂ جاوید ہیں فنکار عظیم
جو نظر آتے ہیں تاریخ کے شہ پاروں میں
وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں جن کے اطوار
مجھے شامل نہ کرو ایسے قلمکاروں میں
لوگ اب گھر سے نکلتے ہوئے یوں ڈرتے ہیں
نذرِ دہشت کہیں ہو جائیں نہ بازاروں میں
جن کے سُر تال ہیں اب رونقِ بازار ادب
بٹ گئی بزمِ سخن ایسے اداکاروں میں
کوئی لیتا ہی نہیں بلبلِ شیدا کی خبر
بوم آتے ہیں نظر شاخ پہ گلزاروں میں

آج مفقود ہے وہ جذبۂ اصحاب رسول
رقص کرتے تھے جو تلوار کی جھنکاروں میں

جس کے اسلاف کی عظمت کے نشاں ہیں ہر سو
جائے عبرت ہے وہی قوم ہے ناداروں میں

لوگ کہتے ہیں اسے قصرِ تمنا اپنا
جس کے اسلاف تھے اپنے کبھی معماروں میں

جو کبھی میرے اشاروں پہ چلا کرتے تھے
خوئے اخلاص وہ باقی نہ رہی یاروں میں

نام ہے صفحۂ تاریخ سے ان کا غائب
ملک و ملت کے جو برقیؔ تھے وفاداروں میں

●

اس کا محفوظ خدا جلوۂ زیبا رکھے
اس کا تاعمر یونہی حُسن دلآرا رکھے

لب کشا سامنے اس کے ہوں کہاں اپنی مجال
''ہم تو راضی ہیں وہ جس حال میں جیسا رکھے''

اس کی تصویرِ تصور سے ہے آباد یہ دل
میں تو تنہا ہوں خدا اس کو نہ تنہا رکھے

ہے دعا میرا وہ منظورِ نظر یونہی رہے
نہ کوئی قلبِ حزیں حسرتِ بیجا رکھے

ہے یہ صناعِ ازل سے مری ہر وقت دعا
میں اسے اور مجھے اپنا وہ شیدا رکھے

جس سے روشن ہے مری شمعِ شبستانِ حیات
حسن اس چہرۂ انور کا دوبالا رکھے

ہے یہ خلاقِ دوعالم سے دعا سب کے لئے
جسم اور روح کو تا عمر توانا رکھے

موجِ طوفانِ حوادث سے ڈروں کیوں برقی
کون چکھ سکتا ہے اس کو جسے اللہ رکھے

●

خود سے ہم آج بناتے ہیں تماشا اپنا
آج دنیا میں نہیں کوئی شناسا اپنا
اپنی ڈفلی ہے الگ اور الگ اپنا ہے راگ
''ٹوٹتا جاتا ہے آواز سے رشتہ اپنا''
تختۂ مشقِ ستم ہم کو بناتے ہیں سبھی
کوئی اپنا ہے یہاں اور نہ پرایا اپنا
اپنے ہمسائے سے وحشت زدہ ہمسایہ ہے
خود ڈراتا ہے ہمیں آج یہ سایہ اپنا
نئی تہذیب کے ہے زیرِ اثر کُہنہ نظام
اپنے کچھ کام نہیں آتا ہے جایا اپنا
اپنا رہبر تھا جو نکلا وہی ایمان فروش
نہیں کوئی جو بنے آج سہارا اپنا
چارہ گر چارہ گری بھول گیا ہو جیسے
دشمنِ جاں ہے مرا آج مسیحا اپنا

اپنی تاریخ کے اوراق اُلٹ کر دیکھو
ناخدا پہلے ہوا کرتا تھا دریا اپنا
ہم میں کوئی بھی نہیں ایسا بچالے جو اسے
موجِ طوفاں میں گِھرا ہے جو سفینہ اپنا
خانہ جنگی میں ہیں مشغول عرب اور عجم
آج گردش میں ہے ہر سمت ستارہ اپنا
منتشر آج ہے شیرازۂ ہستی برقیؔ
پہلے دنیا میں بجا کرتا تھا ڈنکا اپنا

●

چراغِ شوق جلایا بھی اور بجھایا بھی
''عجیب شخص ہے اپنا بھی ہے پرایا بھی''
دکھا کے ایک جھلک پھر وہ ہوگیا روپوش
نہ آیا پُرسشِ احوال کو بُلایا بھی
مجھے وہ بھول گیا میں اسے نہ بھول سکا
جو اپنا فرض تھا میں نے اسے نبھایا بھی
نہ آیا باز چلانے سے اپنا تیرِ نظر
دیئے تھے زخمِ جگر جو اسے دکھایا بھی
گرا کے برقِ تبسم نہ مجھ سے کچھ بولا
اگرچہ میں نے اسے حالِ دل سنایا بھی
نہ آیا اُس کو ترَس حالِ زار پر میرے
ہزار بار مجھے اُس نے آزمایا بھی
دماغ عرشِ معلیٰ پہ آج ہے جس کا
وہ گِررہا تھا تو میں نے اسے اُٹھایا بھی
بہانے ڈھونڈ رہا تھا میں جس کے ہنسنے کے
اسی نے خون کے آنسو مجھے رُلایا بھی
جلا دیئے سبھی ارمان اس نے برقیؔ کے
جسے وہ چاہ کے ہرگز نہ بھول پایا بھی

●

لوٹ کر جیسے دورِ شباب آگیا
"آپ کیا آگئے انقلاب آگیا"
اس طرح دل کے ارمان پورے ہوئے
نامہ بر لے کے خط کا جواب آگیا
دیکھنے کو ترستی تھیں آنکھیں جسے
سامنے وہ مرے بے حجاب آگیا
گلشنِ دل پہ اک تازگی چھاگئی
بن کے وہ اک مجسم گلاب آ گیا
عالمِ خواب میں جس کو پڑھتا تھا میں
روئے زیبا کی لے کر کتاب آگیا
جس کے جانے سے تاریک تھی زندگی
خانۂ دل میں با آب و تاب آگیا
ذہن ماؤف تھا گنتے گنتے جسے
آج برقیؔ وہ روزِ حساب آگیا

●

وہ جلوہ گاہِ ناز میں جس وقت آ گئے
ناز و ادا سے ہوش سبھی کے اُڑا گئے
دل میں وہ آ کے حسرت و ارماں جگا گئے
امید کے چراغ جلا کر بجھا گئے
اس طرح اپنا جلوۂ زیبا دکھا گئے
آ کر نگاہِ شوق سے دل میں سما گئے
نخلِ مراد پھولوں سے میرا سجا گئے
''وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے''
کب تک یونہی دکھائیں گے ہم کو وہ سبز باغ
رسمِ وفا نبھانی تھی جن کو نبھا گئے
ہم عرض مدعا بھی نہ کچھ ان سے کر سکے
آیا جو دل میں ان کے ہمیں وہ سنا گئے

معلوم تھا نہ اتنے تلون مزاج ہیں
وہ ہوگئے انھیں کے اُنھیں جو بھی بھاگئے

سوزِ دروں نے کردیا جینا مرا حرام
اک آگ ایسی دیدہ و دل میں لگا گئے

ارماں تھے جتنے جَل کے سبھی خاک ہوگئے
دل پر وہ ایسی برقِ تبسم گرا گئے

ترک تعلقات میں اُن کو لگی نہ دیر
اوقات میری کیا ہے مجھے وہ بتا گئے

قایم خمار اُس کا ہے برقیؔ ابھی تلک
اپنی نگاہ ناز سے وہ جو پِلا گئے

●

جسے آنا ہے ملنے کے لئے وہ آہی جاتا ہے
نہ آنا ہو تو وعدوں سے فقط بہلا ہی جاتا ہے
جو آکر خواب میں بھی ذہن و دل پر چھا ہی جاتا ہے
وہ زلفِ مشکبو سے قصرِ دل مہکا ہی جاتا ہے
کبھی وحشت زدہ ماحول میں اپنے ہی سائے سے
''ہجوم کشمکش میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے''
ہر اک چہرے پہ آئے جب نظر اک دوسرا چہرہ
فریبِ رنگ و بو انسان اکثر کھا ہی جاتا ہے
جسے اپنا سمجھتا تھا پرایوں سے بھی ہے بدتر
مری اوقات آکر وہ مجھے بتلا ہی جاتا ہے
پرائے اور اپنے دفن کر کے لوٹ آتے ہیں
جو تنہا آیا ہے دنیا سے وہ تنہا ہی جاتا ہے
جلانے اور بجھانے میں مہارت ہے جسے حاصل
اُلجھ جاتی ہے جو گتھی اسے سلجھا ہی جاتا ہے
جنونِ انتہائے شوق خضرِ راہ ہو جس کا
وہ اپنی منزلِ مقصود برقیؔ پا ہی جاتا ہے

●

گُلبدن، گُلعذار آجاؤ
جارہی ہے بہار آجاؤ
ہے اگر مجھ سے پیار آجاؤ
ہے فضا سازگار آجاؤ
دیدہ و دل ہیں فرشِ راہ مرے
ہمہ تن انتظار آجاؤ
چھوٹ جائے کہیں نہ دامن صبر
نہ کرو بیقرار آجاؤ
آکے چاہو تو پھر چلے جانا
بخدا ایک بار آجاؤ
جیسے پہلے ملا تھا میں تم سے
تم بھی دیوانہ وار آجاؤ
تم ستاؤ گے کتنا برقیؔ کو
ہو اگر غمگسار آجاؤ

●

ہو اگر میرے یار آجاؤ
ہے مجھے انتظار آجاؤ
میں بھی ہوں بیقرار آجاؤ
تم بھی ہو دلفگار آجاؤ
ہوگے دوشِ صبا پہ آج سوار
گر نہ ہو ناگوار آجاؤ
میں ہوں دیوانہ وار تم پہ فدا
ہو اگر اعتبار آجاؤ
میں ہوں اِس پار اور تم اُس پار
توڑ کر یہ حصار آجاؤ
ہے تمھاری شکست میری شکست
مان لوں گا میں ہار آجاؤ
میں تمھاری کروں گا دلجوئی
تم ہو کیوں اشکبار آجاؤ
آج برقیؔ ہے گوش برآواز
تم بجاتے ستار آجاؤ

●

دربدر پھرتا تھا جب تب تجھے آباد کیا
کیا بگاڑا تھا ترا کیوں مجھے برباد کیا
جس طرح کرتا ہے تو خونِ تمنا میرا
کیا کبھی میں نے بھی ایسے تجھے ناشاد کیا
زخم جو تونے دئے تھے ہیں ابھی تک تازہ
''جب چلی سرد ہوا میں نے تجھے یاد کیا''
اس سے بہتر تھا کہ تو قید ہی رکھتا مجھ کو
پر کتر کر مرا کیوں باغ میں آزاد کیا
زندگی کھیل نہیں ہے جسے بچوں کی طرح
کبھی آباد کیا اور کبھی برباد کیا
زیب دیتا ہے تجھے مفسدِ دوراں کا خطاب
ناروا تھا جو وہ کیوں اے ستم ایجا کیا
باغباں جس کو بنایا تھا اسی نے برقی
صحن گلشن میں بپا نالہ و فریاد کیا

●

تھا جو میرے ذوق کا سامان آدھا رہ گیا
بحرِ دل میں عشق کا طوفان آدھا رہ گیا
میں اِدھر بےچین ہوں اور وہ اُدھر ہے مُضطرب
داستانِ عشق کا عنوان آدھا رہ گیا
چند لمحے بعد ہی آکر وہ رخصت ہوگیا
اُس سے ملنے کا تھا جو ارمان آدھا رہ گیا
اُس کی تصویرِ تصور ہے نظر کے سامنے
خانۂ دل میں جو تھا مہمان آدھا رہ گیا
تشنۂ تکمیل ہے میرے سوالوں کا جواب
میں سمجھتا تھا جسے آسان آدھا رہ گیا
ابنِ آدم کی کبھی پوری نہیں ہوتی ہوس
وہ سمجھتا ہے ابھی سامان آدھا رہ گیا

علم ظاہر اور باطن لازم و ملزوم ہیں
جو نہ سمجھے اس کو وہ انسان آدھا رہ گیا
اپنی اپنی سرحدوں سے ہیں سبھی نامطمئن
چین آدھا رہ گیا جاپان آدھا رہ گیا
سب کی ڈفلی ہے الگ اور سب کا اپنا راگ ہے
شیخ آدھا رہ گیا اور خان آدھا رہ گیا
ناقدوں کے درمیاں ہے ان دنوں موضوع بحث
میر اور غالب کا جو دیوان آدھا رہ گیا
شعر لکھ سکتا نہیں جو کر رہا ہے اس کی شرح
شعر فہمی کا تھا جو رجحان آدھا رہ گیا
کہہ رہا ہے جس کی نظروں میں برابر ہیں سبھی
اُس امیرِ شہر کا فرمان آدھا رہ گیا
ہے کبھی بیمِ دروں وہ اور کبھی بیمِ بروں
"آدمی کا آج کل ایمان آدھا رہ گیا"
اِک جھلک دکھلا کے اپنی جو کبھی لوٹا نہیں
اُس کے برقیؔ ہجر میں بے جان آدھا رہ گیا

●

نہ سمجھے کوئی اس سے دشمنی ہے
''مری اک کم سخن سے دوستی ہے''

سبھی کے کام آئے ابنِ آدم
یہی در اصل حُسنِ زندگی ہے

جسے پڑھنا ہو اس میں پڑھ لے سب کچھ
کُھلی میری کتابِ زندگی ہے

مرے کس کام کا ایسا سمندر
لبِ ساحل بھی جس کے تشنگی ہے

ہو رودادِ زمانہ کی جو مظہر
وہی در اصل روحِ شاعری ہے

مرے دل پر ہے جس کی حکمرانی
ابھی اُس میں ادائے کمسنی ہے

ہے جس کا آج گرویدہ زمانہ
جہانِ رنگ و بو یہ عارضی ہے
عجم کی طرح ہے گونگا عرب بھی
یہ اس کی مصلحت یا بے حسی ہے
نہیں فرصت تن آسانی سے اس کو
الم انگیز یہ آدم کُشی ہے
بپا ہے حشر سے پہلے ہی محشر
کہیں دختر کہیں مادر پڑی ہے
کوئی شطرنج بازی میں ہے مشغول
کسی کی جان پر اپنی بنی ہے
دعائے اہلِ غزہ سن لے یارب
مصیبت کی یہ اک ایسی گھڑی ہے
انھیں ہے صرف تیرا ہی سہارا
جہاں بھائی سے بھائی اجنبی ہے
اگر اس میں ہو برقیؔ آدمیت
فرشتوں سے بھی افضل آدمی ہے

●

نہ آئے کام کسی کے جو زندگی کیا ہے
بشر نواز نہ ہو جو وہ آدمی کیا ہے
زمانہ ساز ہیں جو وہ ہیں مصلحت اندیش
جو ہو خلوص سے عاری وہ دوستی کیا ہے
پس از وفات نہ لیں جس کا نام اس کے عزیز
تونگری ہے اگر یہ تو مفلسی کیا ہے
کرو نہ دست درازی خدا کے بندوں پر
ہے نام اس کا شجاعت تو بُزدلی کیا ہے
حقیقی دوستی وہ ہے ہو جس میں جوش و خروش
نشاط روح نہ ہو جس میں خوش دلی کیا ہے
عزیز تر ہیں مجھے خود سے بھی حسنؔ چشتی
بتاؤں آپ کو کیا بندہ پروری کیا ہے
نہ ہو جو قاری و سامع پہ کچھ اثر انداز
فریبِ محض ہے برقیؔ وہ شاعری کیا ہے

●

انسانیت نہ جس میں ہو وہ آدمی نہیں
جس میں حضور قلب نہ ہو بندگی نہیں
جس میں جنونِ شوق نہ ہو عاشقی نہیں
''دل کا معاملہ ہے کوئی دل لگی نہیں''
رہتا ہے میرے درپئے آزار پھر بھی وہ
اُس سے اگرچہ میری کوئی دشمنی نہیں
راتوں کی نیند دن کا سکوں ہو گیا حرام
پوچھا جو کب ملوگے تو بولا کبھی نہیں
خوابیدہ حسرتوں کا نہ ہو جس میں انعکاس
ہے کارگاہِ شیشہ گری، شاعری نہیں
اُس کی شرابِ ناب سے بڑھ کر ہے، چشمِ مست
جس کے بغیر لطفِ مئے و میکشی نہیں
نقدِ سخن جو کرتا ہے، وہ ہو سخن شناس
جوہر شناس ہو نہ اگر جوہری نہیں
برقیؔ جو خود شناس ہے وہ ہے خدا شناس
گُم گشتگیٔ ہوش و خرد بیخودی نہیں

●

چل رہے ہیں وہ ایسی شان سے آج
جیسے آئے ہوں آسمان سے آج
آستیں میں جو ان کی تھا کل تک
تیر نکلا ہے وہ کمان سے آج
شمع کے ارد گرد پروانے
ہاتھ دھو دیں نہ اپنی جان سے آج
اپنا سب کچھ لٹا کے ہوش آیا
شیخ جی مل رہے ہیں خان سے آج
گل کھلائیں گے کیا ابھی کچھ اور
لگ رہے ہیں وہ مہربان سے آج
کررہے ہیں جو وعدۂ فردا
پھر گئے اپنی وہ زبان سے آج
نہ مٹا دے وہ ان کا نام و نشاں
آہ نکلی ہے جو زبان سے آج
بھول بیٹھے ہیں اپنی جو اوقات
گر پڑیں وہ نہ آسمان سے آج
کہہ رہے ہیں وہ آکے برقیؔ سے
جاؤ نکلو مرے مکان سے آج

●

سکونِ قلب کسی کو نہیں میسر آج
شکستِ خواب ہے ہر شخص کا مقدر آج
ہے وضعِ حال مری کیوں یہ بد سے بدتر آج
امیر شہر کے بدلے ہوئے ہیں تیور آج
ہر ایک شخص ہے اپنے حصار میں محصور
ہے سب کے درپئے آزار وہ ستمگر آج
کیا ہے گردشِ دوراں نے دربدر سب کو
جو سر میں پہلے تھا وہ پاؤں میں ہے چکر آج
سمجھ رہا تھا جسے خیرخواہ میں اپنا
وہی ہے دشمنِ جاں میرا سب سے بڑھ کر آج
فصیلِ شہر کے اندر تھے کتنے اہلِ ہُنَر
نہیں ہے جن سے شناسا کوئی بھی باہر آج

وہ درس لیتے نہیں جنگِ کربلا سے کوئی
جو صف شکن تھے وہ ہیں دشمنوں سے ششدر آج

وہ قوم کیسے ترقی کرے گی دنیا میں
نہیں ہے جس کا کہیں کوئی ایک رہبر آج

بکھر کے رہ گیا خود جن کا اپنا شیرازہ
سمجھ رہے ہیں کہ ہیں وقت کے سکندر آج

اگر محاسبہ اپنا کریں تو پائیں گے
نہیں ہے ہم سے جہاں میں کوئی بھی بدتر آج

جو اپنے ہاتھ سے کشتی جلاتے تھے اپنی
نہیں ملیں گے کہیں ایسے وہ قلندر آج

دکھا رہا ہے مجھے سبز باغ جو برقیؔ
وہ لے کے پھرتا ہے کیوں آستیں میں خنجر آج

●

وہ ہیں آج بالائے بام اللہ اللہ
مئے عشق کا لے کے جام اللہ اللہ
مجھے کردیا خود سے بیخود انھوں نے
نگاہوں سے دے کر پیام اللہ اللہ
یہ میرے لئے مژدۂ جانفزا ہے
ملیں گے وہ اب صبح و شام اللہ اللہ
نہ ہوگا تمہیں تشنہ کامی کا شکوہ
وہ دے کر گئے یہ پیام اللہ اللہ
رہیں اپنے وعدے پہ ثابت قدم وہ
رہے ان کا لطفِ دوام اللہ اللہ
جو سنتے نہ تھے میری عرض تمنا
وہ لیتے ہیں اب میرا نام اللہ اللہ
مرے خانۂ دل میں ہیں جلوہ فرما
جو ہیں مثلِ ماہِ تمام اللہ اللہ
تھا اب تک گرفتار زلفوں میں جن کی
وہ ہیں اب مرے زیر دام اللہ اللہ
کہاں میں کہاں اُن کی برقی نوازی
وہ کرتے ہیں مجھ کو سلام اللہ اللہ

●

بیمارِ محبت کی دوا اور ہی کچھ ہے
''کچھ اور ہی سمجھے تھے ہوا اور ہی کچھ ہے''
آزاد کی تحریر کا انداز الگ ہے
اقبال کے نغموں کی نوا اور ہی کچھ ہے
اس عہد میں ہر سمت ہے اک عالمِ محشر
ہے دل میں جو اک حشر بپا اور ہی کچھ ہے
بے سود قفس میں ہے ہر آسایشِ دنیا
پرواز کو آزاد فضا اور ہی کچھ ہے
جذبات میں اخلاص سے بڑھ کر نہیں کچھ بھی
بے لوث محبت کا مزا اور ہی کچھ ہے
فن پارے میں ہے پاس روایت بھی ضروری
تحریر کا اسلوب نیا اور ہی کچھ ہے

ہے کرب کا احساس جو جینے نہیں دیتا
ناکردہ گناہی کی سزا اور ہی کچھ ہے
زاہد کی ریا کار عبادت سے ہے افضل
اللہ کے بندوں کا بھلا اور ہی کچھ ہے
سیرت میں ہے جو حسن وہ صورت میں نہیں ہے
پاکیزگی و شرم و حیا اور ہی کچھ ہے
بے موت بھی مرنے پہ وہ کردیتا ہے مجبور
نظروں میں ہے جو تیرِ قضا اور ہی کچھ ہے
محدود ہے شاہوں کی گداؤں پہ نوازش
بندوں پہ یہ انعامِ خدا اور ہی کچھ ہے
یوں تو ہیں مشاہیر سخن شہرۂ آفاق
برقیؔ کی الگ طرزِ ادا اور ہی کچھ ہے

●

کیوں سر کو جُھکائے بیٹھے ہو
کیسے مُرجھائے بیٹھے ہو
کیوں منھ لٹکائے بیٹھے ہو
کیا حال بنائے بیٹھے ہو
یہ زیب نہیں دیتا ہے تمھیں
دامن پھیلائے بیٹھے ہو
آنکھوں کا دیا روشن رکھو
کیوں اسے بجھائے بیٹھے ہو
اب کوئی نہیں آئے گا یہاں
کیوں بزم سجائے بیٹھے ہو
آنا ہوتا تو وہ آ جاتا
"کیا آس لگائے بیٹھے ہو"

وہ کون ہے جس کو تم اپنی
آنکھوں میں بسائے بیٹھے ہو
خاموش ہو کیوں کچھ تو بولو
کیوں نظر جھکائے بیٹھے ہو
وہ کون سی گُتھی ہے جس میں
خود کو الجھائے بیٹھے ہو
جب تم کو کسی کا خوف نہیں
پھر کیوں گھبرائے بیٹھے ہو
برقیؔ سے نہیں تو پھر آخر
دل کس سے لگائے بیٹھے ہو

●

میں جہاں ہوں ہم وطنو جانے کیسی بستی ہے
رہزنوں کے نرغے میں کاروانِ ہستی ہے
میکشوں کا اک حلقہ اِرد گِرد ہے اُس کے
اس کی چشمِ میگوں میں کس بلا کی مستی ہے
ہر طرف ہے ویرانی جاؤں تو کہاں جاؤں
دل کی ہے یہ بستی جو، بستے بستے بستی ہے
خون کا اثر اس کے رنگ لائے گا اک دن
ختم وہ نہیں ہوگی ذہن میں جو پستی ہے
وہ ہے گر ستم پیشہ سخت جان ہوں میں بھی
دیکھتا ہوں اب اس کی دال کیسے گلتی ہے
آج وقت ہے اس کا کل مرا بھی آئے گا
آتی ہے مصیبت جب ٹلتے ٹلتے ٹلتی ہے
آتشِ محبت کی ہے یہ کار فرمائی
بجھتے بجھتے بجھتی ہے جلتے جلتے جلتی ہے
جانِ جاں سمجھتا تھا جس کو آج تک برقیؔ
مارِ آستیں بن کر اب اسے وہ ڈستی ہے

•

آواز کا اُس کی زیر و بَم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
کتنا دلکش تھا میرا صنم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
کس درجہ حسیں تھا وہ لمحہ جو قصہٗ پارینہ ہے اب
جب اُس کی نظر میں تھے بس ہم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
گو ایسے لمحے کم آئے لیکن ہیں وہ میرا سرمایہ
کب کب وہ ہوا مایل بہ کرم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
وہ روٹھنے اور منانے کا احساس ابھی تک باقی ہے
کیا کیا تھے اُس کے قول وقسم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
وہ خواب دکھاتا تھا مجھ کو میں اس پہ بھروسہ کرتا تھا
قایم نہ رہا وعدوں کا بھرم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
آئے ہو ابھی جاتے ہو کہاں اُس کا یہ کہنا ابھی آیا
کر دینا مری پھرناک میں دم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے
یہ بھولی بسری یادیں ہیں سرمایۂ زیست مرا برقی
کس طرح کروں میں اس کو رقم کچھ یاد رہا کچھ بھول گئے

●

کُھلا ہے آپ چلے آیئے دریچۂ دل
پڑھا نہیں ہے ابھی کیا مرا صحیفۂ دل
دھڑک رہے ہیں فقط آپ اس کی دھڑکن میں
سوائے آپ کے کوئی نہیں وظیفۂ دل
ملی ہے آپ کی آمد کی جب سے اس کو خبر
ہیں لب خموش کُھلا ہے مگر یہ دیدۂ دل
یہاں قیام کریں آ کے کچھ دنوں کے لئے
لکھیں گے بیٹھ کے فرصت سے پھر قصیدۂ دل
شرف تو دیجئے آپ اس کو باریابی کا
پھر آپ دیکھیں گے کیسا ہے یہ سلیقۂ دل
نگاہِ ناز سے وارد ہوئے ہیں آپ اس میں
ملے ہیں آپ جو مجھ سے یہ ہے نتیجۂ دل
نشاطِ روح کا ساماں ہیں آپ اس کے لئے
نثار آپ پہ برقیؔ کا ہے صحیفۂ دل

●

گرویدۂ محبت اپنا ہمیں بنا کے
"کرتے ہیں ہم سے باتیں آنکھیں دکھا دکھا کے"
مِلتے نہ تھے کبھی جو خوابوں میں آج آ کے
بجلی گرا رہے ہیں دل پر وہ مُسکرا کے
اپنا ہر اک نشانہ ہم پر وہ آزما کے
کرتے ہیں زخم خوردہ تیرِ نظر چَلا کے
حد سے گذر گئے ہیں وہ اقتدار پا کے
اپنوں کو دے رہے ہیں تحفے بُلا بُلا کے
ہم کردیں اُن کو رسوا گر آئینہ دکھا کے
وہ ٹِک نہیں سکیں گے بھاگیں گے دُم دَبا کے
خوش ہو رہے تھے پہلے جو خونِ دل جلا کے
روتے ہیں قبر پر وہ اب خاک میں مِلا کے

کرتے ہیں اب دلوں پر لوگوں کے حکمرانی
عہدِ رواں میں اب ہیں جو مستحق سزا کے
نفرت کے بیج بو کر گمراہ کررہے ہیں
لوگوں کو اک خیالی وہ داستاں سنا کے
مجروح کررہے ہیں کردار وہ ہمارا
اب کیسے دیں صفائی لوگوں کے بیچ جا کے
ایسا نہ ہو کہ روئیں خود بھی وہ خوں کے آنسو
خوش ہورہے ہیں اب جو ہم کو رُلا رُلا کے
زیر و زَبر نہ کردے اُن کا بھی وہ نشیمن
رہتے نہیں ہیں تیور یکساں کبھی ہَوا کے
ڈر کر رہیں وہ کہہ دو اس گردشِ فلک سے
ہیں روشنی کے طالب جو میرا گھر جَلا کے
نازاں تھے عمر بھر جو جاہ و حشم پہ اپنے
بعد از وفات برقی مُحتاج ہیں دعا کے

●

دل و دماغ میں اس طرح چھا گیا اک شخص
شعورِ فکر و نظر میں سما گیا اک شخص
حجاب میری خودی کے ہٹا گیا شخص
میں کیا ہوں میری حقیقت بتا گیا اک شخص
دکھا کے ایک جھلک اپنی چشمِ میگوں سے
مئے نشاط یہ کیسی پلا گیا اک شخص
کہوں تو کیسے کہوں اک عجیب منظر تھا
نگارخانۂ ہستی سجا گیا اک شخص
خلش سی اُٹھتی ہے رہ رہ کے قلبِ مضطر میں
تھا کیسا تیرِ نظر جو چُبھا گیا اک شخص
نہ جانے آگیا دامِ فریب میں کیسے
تھا سبز باغ جو مجھ کو دکھا گیا اک شخص

تھی جس سے شمعِ شبستان زندگی روشن
جلا کے شمعِ محبت بجھا گیا شخص

تھا حسرتوں کا اک انبار خانۂ دل میں
تھے کتنے خواب جو لے کر چلا گیا اک شخص

میں اُس کو دیکھ کے ہوش و ہواس کھو بیٹھا
جب آیا ہوش تو اُٹھ کر چلا گیا اک شخص

وہ کرکے خونِ تمنائے دل مرا برقیؔ
نگاہِ شوق سے پردے اُٹھا گیا اک شخص

●

سَرَک رہی ہے اُس کی چلمن، ماشا اللہ ماشا اللہ
شاید اب وہ دے گا درشن، ماشا اللہ ماشا اللہ
گَرَج رہا ہے بادل گھن گھن، ماشا اللہ ماشا اللہ
بجتی ہے اُس کی پایل جھن جھن ، ماشا اللہ ماشا اللہ
بَرَس رہا ہے پیار کا ساون، ماشا اللہ ماشا اللہ
ڈول رہا ہے جس سے تَن مَن ، ماشا اللہ ماشا اللہ
چلتا پھرتا ہے میخانہ ، جس کی یہ چشمِ مستانہ
اُس کی صُراحی دار ہے گردن ، ماشا اللہ ماشا اللہ
اپنے ہی حُسن پہ جیسے ہو شیدا، دیکھ رہا ہے جلوۂ زیبا
سامنے رکھ کر اپنے درپن، ماشا اللہ ماشا اللہ
مور کا رقص اُسے نہیں بھاتا، اپنی چال پہ ہے اِتراتا
ناچ نہ جانے ٹیڑھا آنگن، ماشا اللہ ماشا اللہ
غنچہ وگل کی ہے یہ زباں پر، سب ہیں فدا اُس سَروِرواں پر
ذکر ہے اُس کا گلشن گلشن، ماشا اللہ ماشا اللہ
برقیؔ ہے جس کا دیوانہ ، ہو کے فدا مثلِ پروانہ
مار نہ ڈالے اُس کی چِتوَن، ماشا اللہ ماشا اللہ

●

یہ جہانِ آب و گِل لگتا ہے اک مایا مجھے
ہر قدم پر جستجو نے جس کی بہکایا مجھے

زندگی بھر میرے اپنوں نے دیا مجھ کو فریب
تھے جو بیگانے انھوں نے آ کے اپنایا مجھے

وعدۂ امروز و فردا میں الجھ کر رہ گیا
زندگی بھر سبز باغ اک ایسا دکھلایا مجھے

اک معما جیسے ہو سب کے لئے میرا وجود
''ہر کسی نے اپنے اپنے ظرف تک پایا مجھے''

جس کو دیکھو گردشِ حالات کا ہے وہ شکار
ہر کوئی جیسے نظر آتا ہو گھبرایا مجھے

اہلِ دنیا نے دئے ہیں اس قدر مجھ کو فریب
کرتا ہے وحشت زدہ اب اپنا ہی سایا مجھے

اس کی زلفِ خم بہ خم سے اب نکلنا ہے محال
غمزہ و ناز و ادا سے ایسا الجھایا مجھے

اب جہاں کوئی نہیں میرے لئے راہِ فرار
میرا جذبِ شوق آخر کس جگہ لایا مجھے

جاؤں تو جاؤں کہاں کوئی نہیں ہے خضرِ راہ
عمر بھر جوشِ جنوں نے میرے تڑپایا مجھے

اب اُڑاتا ہے مری صحرا نوردی کا مذاق
عشق کرنے کے لئے تھا جس نے اُکسایا مجھے

کردی سب اپنی متاعِ زندگی جس پر نثار
یہ جہانِ رنگ و بو ہرگز نہ راس آیا مجھے

میں سمجھتا تھا جسے اپنا رفیقِ زندگی
تختۂ مشقِ ستم اس نے ہی بنوایا مجھے

تھا مرا جو حاشیہ بردار برقیؔ اعظمی
اُس نے ہی طوقِ غلامی آ کے پہنایا مجھے

●

وہی تھا دشمنِ جاں، تھا جو آشنا مجھ سے
میں جس کا ہوگیا اس نے نہ کی وفا مجھ سے

مِلا رقیب سے میرے نہ کچھ کہا مجھ سے
''وہ اپنے زعم میں تھا بے خبر رہا مجھ سے''

سمجھ رہا تھا جسے یارِ غمگسار اپنا
وہ ساتھ رہتے ہوئے بھی رہا جُدا مجھ سے

مِلا رہا تھا ہمیشہ جو ہاں میں ہاں میری
نہ جانے کرلیا کیوں قطعِ رابطہ مجھ سے

ہر اک سزا مجھے منظور ہوگی لیکن وہ
بتادے کاش مجھے کیا ہوئی خطا مجھ سے

ہمیشہ کرتا رہا جس کی ناز برداری
بصد خلوص کبھی وہ نہیں مِلا مجھ سے

ہر ایک راز سے واقف ہوں جس ستمگر کے
چھپا رہا ہے وہی اپنا ماجرا مجھ سے

وہ کہہ رہا ہے کہ برقی کو جانتا ہی نہیں
دعا سلام رہی جس سے بارہا مجھ سے

●

تری بَر وقت آمد کی خبر آنا ضروری ہے
مُرادِ دل بوقتِ عیش بَر آنا ضروری ہے
بہت صبر آزما ہوتا ہے یہ احساسِ تنہائی
نہ ہو اپنا کوئی جب آنکھ بھر آنا ضروری ہے
ابھی جلدی ہے کیا اُڑنے کی تجھ کو مُرغِ دل آخر
ذرا کچھ دن ٹھہر جا بال و پَر آنا ضروری ہے
ضرورت اس میں ہے خونِ جگر سے آبیاری کی
تری شاخِ تمنا پر ثمر آنا ضروری ہے
یہی شرم و حیا زیور ہے اُس کے روئے زیبا کا
کسی کو شرم آتی ہے اگر آنا ضروری ہے
ہے شرطِ اولیں یہ آپ کی روشن ضمیری کی
''نظر کی حد سے آگے کا نظر آنا ضروری ہے''
فراقِ یار میں ہے مُضطرب احمد علی برقی
وہ ہو جس حال میں اس کی خبر آنا ضروری ہے

●

در پردہ میرا دشمنِ جاں یار ہی رہا
"دلدار ہی رہا نہ دل آزار ہی رہا"
سودا نہ کرسکا کبھی اپنے ضمیر کا
حالات سے میں برسرِ پیکار ہی رہا
کم ظرف تھے جو وقت کے سانچے میں ڈھل گئے
جو تھا وفا شعار وفادار ہی رہا
اہلِ کمال گوشۂ عُزلت میں تھے مکیں
میرِ مشاعرہ وہ گلوکار ہی رہا
اپنا سمجھ رہا تھا جنھیں وہ رقیب تھے
میرا حریف حاشیہ بردار ہی رہا
کی مارِ آستیں کو سمجھنے میں میں نے بھول
محروم حق سے تھا جو وہ حقدار ہی رہا

جس کو سمجھ رہا تھا بہی خواہ اپنا میں
وہ میری عرضِ حال سے بیزار ہی رہا
اس کے لئے تھے دیدہ و دل میرے فرشِ راہ
جی بھر کے سو سکا نہ تو بیدار ہی رہا
گلہائے رنگا رنگ سے آراستہ تھا جو
میرا کلام گلشنِ گفتار ہی رہا
تھا جس کا حسن عالمِ امکاں میں انتخاب
وردِ زباں وہ عارض و رخسار ہی رہا
منزل پہ گرتے پڑتے پہنچ تو گئے مگر
برقیؔ سفر حیات کا دشوار ہی رہا

●

حالت میں کیا بتاؤں دلِ بیقرار کی
سوہانَ روح ہے یہ گھڑی انتظار کی
دیتا نہیں ہے کوئی خبر میرے یار کی
کرتا نہیں ہے بات کوئی مجھ سے پیار کی
آثار آرہے ہیں خزاں کے مجھے نظر
ساعت گذر نہ جائے یونہی یہ بہار کی
کب چارہ گر کرے گا مداوائے دردِ دل
حالت ہے جانگداز دلِ داغدار کی
آئے گا کب وہ پُرسشِ احوال کے لئے
جس نے قبائے روح مری تار تار کی
صحنِ چمن میں مجھ کو سمجھتا ہے مثلِ خار
جس کے لئے ہمیشہ فضا سازگار کی
یہ آرہے ہیں آتشِ گل سے لگا کے آگ
اب چھیڑئے نہ بات کسی گُلعذار کی
برقؔی کے دوستوں کی تھی تعداد بیشمار
فہرست جب رقیبوں کی اپنے شمار کی

●

میں جن سے پوچھتا ہو خبر اپنے یار کی
کرتے ہیں بات گردشِ لیل و نہار کی

دنیائے رنگ و بو پہ نہ اِترایئے جناب
گُل ہیں مثال ہستیٔ ناپایدار کی

وہ جس کو تخت و تاج و حکومت پہ ناز تھا
دو گز زمیں پہ قبر ہے اُس تاجدار کی

یہ کل رہے رہے نہ رہے سوچ لیجئے
ہے چار دن کی چاندنی جو اقتدار کی

اس باغباں کو غنچہ و گل ناپسند ہیں
گلشن میں ہو رہی ہے پذیرائی خار کی

ہوتا تھا اس کا حاشیہ بردار وہ کبھی
حالت بنائی جس نے ہے یہ خاکسار کی

برقیؔ کے ہے جو چہرۂ محزوں سے آشکار
ہے گرد اُس کی حسرتِ دل کے مزار کی

●

ارمان اپنے مِل گئے سارے غبار میں
"دو گز زمیں بھی مِل نہ سکی کوئے یار میں"
آیا نہ وہ بھی پُرسشِ احوال کے لئے
کردی متاعِ شوق فدا جس کے پیار میں
معلوم ہے نہ آئے گا وعدہ شکن مگر
ہیں اب بھی اپنے دیدہ و دل انتظار میں
ہم چاہتے ہوئے بھی نہ اُس کو بُھلا سکے
اب کیا کریں جو دل ہی نہ ہو اختیار میں
میں تجھ سے کیا بتاؤں نہیں سن سکے گا تو
سوزِ دروں ہے کتنا دلِ داغدار میں
شیرازۂ حیات کیا اس نے منتشر
ہم تو بکھر کے رہ گئے بس اعتبار میں

دشمن کو بھی نصیب نہ ہو ہے یہی دعا
ہم کو ملی ہے جیسی سزا اس کے پیار میں

ہوتی ہے صبر و ضبط کی بھی کوئی ایک حد
گُھٹ گُھٹ کے مر نہ جائیں یونہی انتظار میں

تیرِ نگاہِ ناز سے وحشت زدہ ہوں میں
کردے نہ کام ختم مرا ایک وار میں

برقیؔ دیارِ شوق میں جاتے تو ہو مگر
رکھنا ذرا سنبھل کے قدم کوئے یار میں

●

بیتاب ہے کیوں روح مری میرے بدن میں
اک حشر بپا آج ہے کیسا مرے مَن میں
یہ کس کے اشارے پہ سبھی ناچ رہے ہیں
کیوں دشمنِ جاں بھائی کا بھائی ہے یمن میں
ہر سمت تباہی کا نظر آتا ہے منظر
باقی نہ رہی اب وہ چمک دُرِّ عدن میں
دم توڑ رہی ہے کہیں بیوی،کہیں بچے
ہیں کتنے مہ و مہر ستمدیدہ گہن میں
مِل بیٹھ کے طے کرلیں گلے شکوے خدارا
اچھے نہیں لگتے ہیں جوانسال کفن میں
ہے آپ کو حق میرا کہا مانیں نہ مانیں
بے ساختہ لکھتا ہوں جو آیا مرے من میں

اشعار نہیں ہیں یہ مرا سوز دروں ہے
جلتا ہے مرا خونِ جگر میرے بدن میں
کیوں برسرِ پیکار ہیں آپس میں یہ سوچیں
ہر شخص کو جینے کا ہے حق اپنے وطن میں
بے موت نہ مارے کہیں مرغانِ چمن کو
بارود کی بدبو کی گھُٹن صحنِ چمن میں
ہیں پیروِ اسلام وہ سنی ہوں کہ شیعہ
اچھا ہے سبھی مِل کے رہیں اپنے وطن میں
شاداب رہیں گلشنِ اسلام کے یہ پھول
جس طرح سے خوشبو ہے بسی مُشکِ خُتن میں

●

بختِ نامساعد کے زائچے بھی زخمی ہیں
گُلعذار چہروں کے زاویئے بھی زخمی ہیں

کیا پتہ تھا پروردہ اپنا سامنے ہوگا
رزمگاہِ ہستی میں حوصلے بھی زخمی ہیں

اپنے دشمنِ جاں ہیں آج اپنے ہمسائے
دوستوں کے حلقے کے دائرے بھی زخمی ہیں

آگے پیچھے رہتے تھے جتنے حاشیہ بردار
اِرد گرِد اپنے وہ حاشئے بھی زخمی ہیں

خارزار راہوں میں دست و پا ہیں خوں آلود
منزلِ محبت کے راستے بھی زخمی ہیں

پہلے جیسے رہتے تھے ایک جان و دو قالب
درمیاں دلوں کے وہ رابطے بھی زخمی ہیں

میکدے میں ساقی کے جنگجو ہیں کیوں میخوار
اس کی چشمِ میگوں سے بِن پئے بھی زخمی ہیں

محفلِ سخنداں کا اک عجیب منظر ہے
کیسے میں غزل لکھوں قافئے بھی زخمی ہیں

اس کے اور برقیؔ کے درمیاں ہے ناچاقی
دوستی کے وہ باہم سلسلے بھی زخمی ہیں

●

بنا کے تختۂ مشقِ ستم زمینوں کو
نہ کردیں ختم مکانوں سے وہ مکینوں کو
ہمیشہ زد میں ہے طوفاں کی اپنی کشتیٔ عمر
بچائیں کیسے تلاطم سے اِن سفینوں کو
نہ اپنے غمزہ و ناز و ادا پہ اِترائیں
بتادے کاش کوئی جا کے اِن حسینوں کو
ہے اب بھی وقت وہ اُٹھ جائیں خوابِ غفلت سے
''خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو''
ذرا سی ٹھیس لگے گی تو ٹوٹ جائیں گے
رکھیں سنبھال کے وہ دل کے آبگینوں کو
ذلیل و خوار ہیں جن کو جہاں میں چھوڑ کے وہ
کہو وہ سیکھ لیں اب بھی اُنھیں قرینوں کو
سبھی نے پھیر لیں آنکھیں زوال کیا آیا
نہ جانے ہو گیا کیا آج ہم نشینوں کو
دلوں پہ آج بھی جو حکمراں ہیں لوگوں کے
نہ سمجھیں ہیچ وہ اِن بوریا نشینوں کو
کبھی جو دیکھ کے برقیؔ کو خوف کھاتے تھے
چڑھائے پھرتے ہیں ہر وقت آستینوں کو

●

ہمیشہ ہمدم و ہمراز یہ صبا تھی مری
کبھی وہ دن بھی تھے جب ہر طرف ہوا تھی مری

نشان خونِ تمنا کے ہیں عیاں اِس سے
جو خوں چکاں ہے ابھی تک وہی قبا تھی مری

بھگت رہا ہوں سزا جُرمِ بے گناہی کی
بتادے کاش وہ مجھ سے یہ کیا خطا تھی مری

نہیں ہیں دل پہ میرے اب نقوش یادوں کے
''میں اُس کو بھول گیا ہوں یہی سزا تھی مری''

شبِ فراق گذاروں میں کس طرح تنہا
نوائے نیم شبی ہے، جو نارسا تھی مری

نصیب جانے وہ کب ہوگی پھر دوبارہ مجھے
یہی شگفتہ مزاجی ہے جو دوا تھی مری

بیاں میں کس سے کروں اپنا حالِ دل برقؔ
ہے اُس کو بارِ سماعت جو التجا تھی مری

●

اُلٹے ہی درد کے ماروں کو سزا ملتی ہے
''کوئی ڈوبے تو سہاروں کو سزا ملتی ہے''
بچ نکلتا ہے سدا آگ لگانے والا
جس میں معصوم ہزاروں کو سزا ملتی ہے
آتشِ گُل سے نہیں جن کا سروکار کوئی
اُن فلک بوس چناروں کو سزا ملتی ہے
جرمِ ناکردہ گناہی کی جہاں میں اب بھی
ایسے ہی کتنے بچاروں کو سزا ملتی ہے
پوچھنے والا نہ تھا نانِ جویں کو کوئی
ایسے کیا درد کے ماروں کو سزا ملتی ہے
آتی ہیں جب کبھی آفاتِ سماوی اُن پر
عرش پر چاند ستاروں کو سزا ملتی ہے
اشک شوئی جو کیا کرتے تھے مظلوموں کی
آج کل ایسے اداروں کو سزا ملتی ہے
خارزاروں کا تسلط ہے وہاں اب برقی
صحن گلشن میں بہاروں کو سزا ملتی ہے

●

کس طرح ذکر کروں میں شبِ تنہائی کا
حوصلہ اب نہ رہا صبرو شکیبائی کا

ایسے معشوق سے اللہ بچائے سب کو
حال کیا اُس نے کیا اپنے ہی شیدائی کا

وہ رُلاتا ہے کبھی اور ہنساتا ہے کبھی
عجب انداز ہے اُس کی یہ پذیرائی کا

ہر کوئی کرتا ہے انگشت نمائی مجھ پر
سامنا کیسے کروں ذلت و رسوائی کا

کہیں وامقؔ ، کہیں عذراؔ کہیں شیریںؔ فرہادؔ
سرمۂ چشم ہیں عشاق کی بینائی کا

آج تاریخِ ادب کی وہ بنا ہے زینت
کوبکو ذکر ہے اُس قیس سے شیدائی کا

عمر بھر ٹوٹ کے چاہا جسے میں نے برقیؔ
یہ صلہ مجھ کو مِلا اُس سے شناسائی کا

●

فطرت کے تقاضوں کا طرفدار ہے شاعر
تہذیب و ثقافت کا علمدار ہے شاعر
موضوعِ سخن جس کے ہوں لوگوں کے مسایل
آزادیٔ اظہار کا حقدار ہے شاعر
کر دیتا ہے جو زیر و زبر نظمِ جہاں کو
افسانۂ ہستی کا وہ کردار ہے شاعر
اقبال کے نغموں سے عیاں ہے یہ حقیقت
اک نظمِ جہاں تاب کا معمار ہے شاعر
کردیتا ہے جذبات میں پیدا جو حرارت
بیدار ہے بیدار ہے بیدار ہے شاعر

●

کام ہے یہ اسی ستمگر کا
جس کے سینے میں دل ہے پتھر کا

لے رہا ہے مجھے بنا کے ہدف
''اپنے لہجے سے کام خنجر کا''

ہر گھڑی ہے مجھے یہی خدشہ
نہ مٹا دے نشاں مرے گھر کا

تنگ ہے عرصۂ حیات مرا
میں نہ اندر کا ہوں نہ باہر کا

خونچکاں جس میں ہے ہر اک چہرہ
کیا کروں اب میں ایسے منظر کا

میری دیرینہ آرزو ہے، کاش
ساتھ مِل جائے اک قلندر کا

میں ہوں اک اس کا مُہرۂ شطرنج
کھیل برقی ہے یہ مقدر کا

●

روئے زیبا کو دکھاتے ہیں چلے جاتے ہیں
کیوں نظر مجھ سے ملاتے ہیں چلے جاتے ہیں
حسرتِ دل مری رہ جاتی ہے دل ہی میں مرے
فرض کیا ایسے نبھاتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ سے ایسی توقع نہ کبھی تھی مجھ کو
شمعِ امید بجھاتے ہیں چلے جاتے ہیں
کچھ تو آدابِ محبت کا کریں پاس و لحاظ
کیا یونہی دل کو لگاتے ہیں چلے جاتے ہیں
چارہ گر ہیں تو کریں آ کے مری چارہ گری
دردِ دل اور بڑھاتے ہیں چلے جاتے ہیں
ہار ہی ہار ہو جیسے مری قسمت میں لکھی
جیت کا جشن مناتے ہیں چلے جاتے ہیں
تُرش روئی کبھی ہوتی نہیں اتنی اچھی
آتے ہی رنگ جماتے ہیں چلے جاتے ہیں

یونہی گھٹ گھٹ کے مروں ہجر میں کب تک ان کے
موت وہ میری بُلاتے ہیں چلے جاتے ہیں
دے کے دروازۂ دل پر مرے اکثر دستک
نیند راتوں کی اُڑاتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ کا کیا ہے جلیں گے تو جلیں گے ہم لوگ
''آپ تو آگ لگاتے ہیں چلے جاتے ہیں''
روشنی آپ کو درکار ہے شاید اس سے
خانۂ دل کو جلاتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ کو دل ہے مِلانا تو مِلائیں بخوشی
دور سے ہاتھ ملاتے ہیں چلے جاتے ہیں
اس سے بہتر تھا کہ آتے نہ ابھی میرے پاس
آپ کچھ دیر کو آتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ سے دل کو لگانا ہے سزا میرے لئے
خونِ دل میرا جلاتے ہیں چلے جاتے ہیں
کیجئے کچھ تو محبت کا مری پاس و لحاظ
کیا اسی طرح سے آتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ کا فرض ہے اپنی کہیں میری بھی سنیں
حالِ دل اپنا سناتے ہیں چلے جاتے ہیں
آپ سے کس نے کہا تھا کہ ابھی آجائیں
آکے برقیؔ کو ستاتے ہیں چلے جاتے ہیں

●

دیکھ کر محوِ حسنِ دلآرا مجھے
''جُھک کے تکنے لگا ہر ستارا مجھے''
چھوڑ کر چل دیا بے سہارا مجھے
جان و دل سے جو لگتا تھا پیارا مجھے
کام آیا نہ کوئی بُرے وقت میں
میرے اپنوں نے بے موت مارا مجھے
اس لئے میں جہاں تھا وہیں رہ گیا
خود فروشی نہیں تھی گوارا مجھے
ایک ذہنی اذیت سے دوچار ہوں
راس آیا نہیں بھائی چارا مجھے
وقت پر جب نہ آنے کا شکوہ کیا
وہ دکھانے لگا استخارا مجھے
عمر بھر جن کی کی میں نے چارہ گری
وہ سمجھتے ہیں اب اپنا چارا مجھے
تھا جو برقیؔ کا پروردہ کہتا ہے اب
ساتھ تیرا نہیں ہے گوارا مجھے

●

مری حالت یہ کیسی ہو رہی ہے
ہنسی کیوں لب سے عنقا ہورہی ہے
چمن میں کیوں ہیں گل دامن دریدہ
خزاں کیوں اس میں کانٹے بورہی ہے
خدا محفوظ رکھے چشمِ بد سے
فضا کیوں بد سے بدتر ہورہی ہے
مری عمرِرواں کو کیا ہوا ہے
وقار اپنا وہ خود سے کھورہی ہے
فروغِ عشق زایل ہو رہا ہے
ضیائے حسن مدھم ہو رہی ہے
نہ پوچھو دل کی ویرانی کا عالم
وہی حالت ہے پہلے جو رہی ہے
عروسِ فکر افسردہ ہے برقؔ
''اُداسی بال کھولے سو رہی ہے''

●

غم و آلام کی بارات نے سونے نہ دیا
مستقل گردشِ حالات نے سونے نہ دیا
گھر گیا موجِ حوادث میں سفینہ میرا
ناگہاں یورشِ برسات نے سونے نہ دیا
جس سے آنا تھا اُسے ہے یہ وہی راہگذر
اُس کے قدموں کے نشانات نے سونے نہ دیا
قصرِ دل نذرِ فسادات ہوا ہے جب سے
مُجھ کو گُذرے ہوئے لمحات نے سونے نہ دیا
ہیں سوالات کئی جن کا نہیں کوئی جواب
بار بار ایسے سوالات نے سونے نہ دیا
پھر مری گُمشدہ میراث ملے گی کہ نہیں
اِنھیں فرسودہ خیالات نے سونے نہ دیا
صبحِ اُمید کب آئے گی نہیں کچھ معلوم
رات بھر مجھ کو اِسی بات نے سونے نہ دیا
دل سے ہوتے ہی نہیں محو یہ یادوں کے نقوش
گرمیِ شدّتِ جذبات نے سونے نہ دیا
مجھ پہ جو گزری ہے گزرے نہ کسی پر برقؔ
خدشۂ ترکِ ملاقات نے سونے نہ دیا

●

کس سے جا کر میں بیاں اپنا کروں سوزِ دروں
مار ڈالے گا مجھے لگتا ہے یہ جوشِ جنوں
حوصلہ فرسا ہے اُس جانِ غزل کا انتظار
میں کہوں بھی اپنا حالِ زار تو کس سے کہوں
زندگی بے کیف ہے میرے لئے تیرے بغیر
کب تک آخر میں یونہی یہ صدمۂ دوری سہوں
خانۂ دل میں مرے تیرے سوا کوئی نہیں
بِن ترے تو ہی بتا دے کیسے آخر میں رہوں
تجھ سے ہی نغمہ سرا ہے میرا یہ تارِ نفس
تیرا ہی مرہونِ منت ہے مرا حالِ زبوں
دے گا آخر کب درِ دل پر مرے دستک بتا
کب تک آنکھوں سے مری جاری رہے گا اشکِ خوں
عرش پر احمد علی برقیؔ کا تھا پہلے دماغ
گردشِ حالات نے اب کر دیا ہے سرنگوں

●

وہ ہوتے میری جگہ تو جَلا بُھنا کرتے
جو سنتے سوزِ دروں میرا سر دُھنا کرتے

سناتے رہتے ہیں ہروقت اپنے مَن کی بات
"کبھی کبھی تو مری داستاں سنا کرتے"

جو کرکے خونِ تمنا کوئی چلا جائے
تو ایسے حال میں روتے نہیں تو کیا کرتے

شبِ فراق ہے کیا جان جاتے وہ خود بھی
جو مثلِ شمع وہ میری طرح جلا کرتے

سنا رہے تھے فقط سرگذشت وہ اپنی
اگر وہ سنتے تو ہم عرضِ مدعا کرتے

مذاق اُڑاتے نہ سب قول وفعل کا اُن کے
وہ اپنا فرض بخوبی اگر ادا کرتے

قصیدہ پڑھتے ہیں خود اپنی کامیابی کا
وہ کاش سرخیٔ اخبار بھی پڑھا کرتے

بغور پڑھتے جو برقی نوشتۂ دیوار
تو خود کو سب کا مسیحا نہ وہ کہا کرتے

●

منحصر سب کچھ ہے جب تقدیر پر
''چارہ گر مرتے ہیں کیوں تدبیر پر''
کچھ بتائیں کیا ہے میری فردِ جُرم
وہ سزا دیتے ہیں کس تقصیر پر
رونے دھونے سے نہیں کچھ فائدہ
ہنس رہا ہوں شومیٔ تقدیر پر
وہ نہ پڑ جائے کہیں اُن کے گلے
ناز ہے جس شوخیٔ تحریر پر
دیکھتا تھا ایک مدت سے جو خواب
دم بخود ہوں اس کی اب تعبیر پر
مضطرب ہوں اس کی میں تخریب سے

ضرب ہے جو جذبۂ تعمیر پر
عشقِ صادق ہے یہ میرا لازوال
میں ہوں عاشق حسنِ عالمگیر پر
ہے کلاسیکی غزل کا انحصار
غالبؔ و ذوقؔ و ظفرؔ اور میرؔ پر
داغؔ کا رنگِ سخن ہے مشتمل
سوز و سازِ عشق کی تفسیر پر
میں ہوں اس کے سامنے سینہ سپر
ناز ہے برقیؔ اُنہیں جس تیر پر

●

ہے آفتِ جاں اپنے لئے مغربی تہذیب
لوٹا دے مجھے اپنی کوئی مشرقی تہذیب
آغاز ہے اس کا ابھی کیا جانے ہو انجام
"لائے گی ابھی اور تباہی نئی تہذیب"
اسلاف سے ہے نسلِ جواں اپنے گریزاں
ہے رو بہ زوال اپنی وہ اچھی بھلی تہذیب
دیکھو جسے کرتا ہے روایت سے بغاوت
اچھائی پہ ہے آج مسلط بُری تہذیب
محفوظ نہیں آج بزرگوں کا تقدس
تھی پہلے جو موجود کہاں کھو گئی تہذیب
ہے مشرقی تہذیب رواداری کی مظہر
بے راہ روی کا ہے سبب مغربی تہذیب
اقدارِ کُہن میں تھی نہاں عظمتِ رفتہ
ہوگی نہ عیاں کیا وہ دوبارہ کبھی تہذیب
باز آئے ہم اس دور ترقی کی رَوِش سے
مطلوب ہے برقیؔ ہمیں اپنی وہی تہذیب

●

نگاہِ شوق کسی یار کی تلاش میں ہے
یہ دھوپ سایۂ دیوار کی تلاش میں ھے
دلِ حزیں مرا دلدار کی تلاش میں ہے
حریمِ ناز میں دیدار کی تلاش میں ہے
چراتی پھرتی ہے آنکھیں وہ اہلِ دنیا سے
یہ کون نرگسِ بیمار کی تلاش میں ہے
فصیلِ شہر سے باہر نہ جا سکا اب تک
شعورِ فن مرا بازار کی تلاش میں ہے
ہیں میرؔ و غالب و اقبال زندۂ جاوید
زمانہ ایسے ہی فنکار کی تلاش میں ہے
جہاں نہ خوفِ خزاں ہو نہ وحشتِ گلچیں
وہ رشکِ گُل اُسی گلزار کی تلاش میں ہے
زمانہ ساز ہے جو وہ ہے اوجِ شہرت پر
ھُنر وسیلۂ اظہار کی تلاش میں ہے
نہیں ہے جذبۂ اخلاص اب کہیں برقیؔ
ستم رسیدہ ہے، جو پیار کی تلاش میں ہے

●

میں منتظر تھا وعدۂ فردا تمام شد
موسم حسیں تھا ذوق تماشا تمام شد
بس اک جھلک دکھا کے وہ روپوش ہوگیا
لب کھولتے ہی عرض تمنا تمام شد
بغض و نفاق و رشک و حسد آج کل ہے عام
مہرو خلوص و لطف کا رشتہ تمام شد
تھی رہروانِ شوق کی پہلے جو خضرِ راہ
وہ داستانِ وامق و عذرا تمام شد۔
امید و بیم کی ہے عجب ایک کشمکش
میں کیا بتاؤں آپ سے کیا کیا تمام شد
قدروں کے درمیاں ہے زمیں آسماں کا فرق
پہلے تھا جیسا اب وہ زمانہ تمام شد
جو مُبتدی تھا خود کو سمجھتا ہے مُنتہی
وہ امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ تمام شد
جس سے امیدِ چارہ گری تھی نہیں رہا
بیمارِ ہجر کا وہ مسیحا تمام شد
رہتے تھے اِرد گِرد بوقتِ عروج جو
برقیؔ کا کہہ رہے ہیں وہ قصہ تمام شد

●

کیوں کریں شکوہ کسی سے اپنی ہم تقدیر کا
صاف جب اپنے لئے ہے راستہ تدبیر کا
اب بھروسہ اُٹھ گیا ہے عدل کی زنجیر کا
کیوں بناتے ہیں ہدف وہ مجھ کو ہی تعزیر کا
شیریں و فرہاد کا قصہ پرانا ہوگیا
ذکر پھر بھی آج تک باقی ہے جوئے شیر کا
ایسے عاشق عہدِ حاضر میں ملیں گے خال خال
عاشقِ شیدا تھا رانجھا جس طرح سے ہیر کا
دیکھ کر جس کو بظاہر دے رہے ہیں داد سب
دوسرا رُخ میں سمجھتا ہوں اسے تصویر کا
مِٹ گئے دنیا سے جانے کتنے ہی فرعونِ وقت
وہ سمجھ جائے گا مطلب آہ کی تاثیر کا
رخ ہوا کا ایک ہی جانب نہیں رہتا سدا
مڑ نہ جائے اس کی ہی جانب نشانہ تیر کا
میرؔ کا سوزِ دروں غالبؔ کا حسنِ فکر و فن
نام ہے اردو غزل کی خوشنما تفسیر کا
منحصر ہے جس پہ برقیؔ کی کتابِ زندگی
منتظر ہوں میں ابھی اُس خواب کی تعبیر کا

●

مجھ کو حق بات سے ہرگز کوئی انکار نہیں
قولِ ناحق کا میں کرتا کبھی اقرار نہیں
سنگساری کا جو دستور ہے اجرا کرنا
پہلا پتھر وہی پھینکے جو گنہگار نہیں
حیثیت اُن کی ہے شطرنج کے مہروں کی طرح
خوابِ غفلت سے جو اس دور میں بیدار نہیں
وار پر وار پسِ پُشت کئے جاتے ہیں
دوست ہیں دشمنِ جاں اب مرے، اغیار نہیں
بے وفائی کا وہی دیتے ہیں طعنہ مجھ کو
ملک و ملت کے کبھی بھی جو وفادار نہیں
میر جعفر تو نہیں زندہ ہے اُس کی اولاد
کون کہتا ہے کہ ہم میں کوئی غدار نہیں
فن کی تخلیق پہ حاوی ہے مزاجِ دوراں
وقت کا ساتھ جو دیتا نہ ہو، فنکار نہیں
فن کے معیار پہ پرکھیں گے سُخن کا جوہر
''ہم سُخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں''
کیا مزہ ملتا ہے برقیؔ کی دل آزاری میں
کیوں نہیں کرتا وہ اقرار اگر پیار نہیں

●

مجھ پہ جو گذری ہے وہ قابلِ اظہار نہیں
کون ہے اپنے جو حالات سے بیزار نہیں
نظمِ عالم ہے جدھر دیکھئے درہم برہم
نوعِ انساں یہ کہاں برسرِ پیکار نہیں
کس کی ہیں ریشہ دوانی کے سبھی لوگ شکار
سرنگوں آج سبھی ہیں کوئی سر دار نہیں
مرزا غالبؔ کے ہیں افکار سبھی پر غالب
قدرداں اُن کے میں فن کا ہوں، طرفدار نہیں
جو دکھاتا ہے زمانے کو قلم کا جوہر
اُس سے بہتر مری نظروں میں قلمکار نہیں
زیر کرتا ہے قلمکار قلم سے سب کو
لڑ رہا ہے وہ مگر ہاتھ میں تلوار نہیں
زد میں ہے برق کی ہر وقت نشیمن برقیؔ
جادۂ شوق میں بھی سایۂ دیوار نہیں

●

مجھ پہ مایل بہ کرم کاتبِ تقدیر بھی تھا
جس کی تخریب میں اک جذبۂ تعمیر بھی تھا
نظر آیا نہ بظاہر مجھے کچھ بھی اس میں
''آخر اس شوخ کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا''
کردیا اس نے ہر اک رنج و الم سے آزاد
جذبۂ شوق مرے پاؤں کی زنجیر بھی تھا
تھا مرا جوشِ جنوں عقدہ کشا میرے لئے
مصحفِ رخ کی وہ میرے لئے تفسیر بھی تھا
نیند آنکھوں سے شبِ ہجر اُڑانے والا
خواب گر، خواب نما، خواب کی تعبیر بھی تھا
حوصلہ جس نے دیا رنج و الم سہنے کا
چارہ گر میرے لئے اسوۂ شبیر بھی تھا
جذبۂ شوق نے چھوڑا نہ کہیں کا اس کو
ہے جو اب خاک بسر صاحبِ جاگیر بھی
خود کو بھی بھول گیا دیکھ کے جس کو برقیؔ
بام پر جلوہ نما دلکش و دلگیر بھی تھا

●

وہ طوفانوں میں چلتے جا رہے ہیں
''ترے میکش سنبھلتے جا رہے ہیں''
نہیں جن کا جہاں میں کوئی اپنا
کفِ افسوس ملتے جارہے ہیں
نئے دستور نافذ ہو رہے ہیں
پرانے سب بدلتے جارہے ہیں
انھیں تو پڑ گئی ہے اس کی عادت
جو خاک و خوں میں پلتے جارہے ہیں
جنھیں سونپی تھی ہم نے باغبانی
گلوں کو وہ مسلتے جارہے ہیں

کروں پورے میں اُن کے کیسے ارماں
مرے بچے مچلتے جا رہے ہیں
ہم اُن کے وعدۂ فردا کو سُن کر
نہ جانے کیوں بہلتے جا رہے ہیں
پڑے ہیں خوابِ غفلت میں ابھی ہم
وہ اپنی چال چلتے جا رہے ہیں
وہ اپنے غمزہ و ناز و ادا سے
ہمیں ہر روز چھلتے جا رہے ہیں
ہم اپنی آتشِ سوزِ دروں سے
شبِ فرقت پگھلتے جا رہے ہیں
مرا نخلِ تمنا مضمحل ہے
مگر وہ ہیں کہ پھلتے جا رہے ہیں
وہ کر کے خانۂ دل میرا ویراں
وہاں سے اب نکلتے جا رہے ہیں
نہ ہو برقیؔ سے جیسے کوئی رشتہ
وہ یوں تیور بدلتے جا رہے ہیں

●

تا عمر دوست بن کے وہ میرے قریب تھا
اپنا سمجھ رہا تھا جسے وہ رقیب تھا
جس کو سمجھ رہا تھا مسیحائے وقت میں
کیسے بتاؤں دشمنِ جاں وہ طبیب تھا
جاری تھا اس کا اپنے ہی لوگوں پہ فیضِ عام
محروم رہ گیا میں، یہ میرا نصیب تھا
سوزِ دروں کا میرے مداوا نہ کر سکا
''مفتی تمام شہر میں جو بھی طبیب تھا''
بھرتا رہا ہمیشہ مری دوستی کا دم
طرزِ عمل مرے لئے اس کا عجیب تھا
یوں تو وہ سبز باغ دکھاتا رہا مجھے
محروم لطف رہ گیا، کیونکہ غریب تھا
بروقت جس نے کرلیا سودا ضمیر کا
اک مصلحت پسند وہ برقی ادیب تھا

●

دل سے دل اُس کے مِلانا بھی ضروری ٹھہرا
پھر اُسے چھوڑ کے جانا بھی ضروری ٹھہرا

ساکھ کو اپنی بچانا بھی ضروری ٹھہرا
حالِ دل اپنا سنانا بھی ضروری ٹھہرا

پاسِ دستورِ زمانا بھی ضروری ٹھہرا
رسمِ الفت کو نبھانا بھی ضروری ٹھہرا

تھی یہی مصلحتِ وقت کہ بِن چاہے ہوئے
بزم میں اُس کو بُلانا بھی ضروری ٹھہرا

مان کر اپنے ہی پروردہ کے ہاتھوں سے شکست
فتح کا جشن منانا بھی ضروری ٹھہرا

یہ بھی تھا عشق کے آداب میں شامل جس سے
روٹھنا اور منانا بھی ضروری ٹھہرا

کرکے جو حسنِ عمل اس کو جتا دیتا ہے
اُس کا احسان اُٹھانا بھی ضروری ٹھہرا

تھی وہ بے وقت کی شہنائی مگر کیا کرتا
وقت کے ساز پہ گانا بھی ضروری ٹھہرا

کرکے انکار اطاعت سرِ محفل اس سے
عزتِ نفس بچانا بھی ضروری ٹھہرا

جان تھی فرض بچانی مجھے اس سے برقیؔ
ہنس کے ظالم کو دکھانا بھی ضروری ٹھہرا

●

جب مری زود اثر آہ و فغاں ٹھہرے گی
اُس کے لب پر جو نہیں ہے وہی ہاں ٹھہرے گی

عشق اور مُشک چھپانے سے کہیں چھپتے ہیں
اس کی رودادِ جنوں وردِ زباں ٹھہرے گی

جسم میں آتشِ سیال کی صورت ہے لہو
''زلفِ جاناں کی گھٹا راحتِ جاں ٹھہرے گی''

ناخدا کچھ تو بتا آئے گا ساحل کب تک
کشتئ عمرِ رواں جاکے کہاں ٹھہرے گی

کاش ہوتی مجھے معلوم یہ اس کی خصلت
میری ہر بات اسے بارِ گراں ٹھہرے گی

ذکر بے لوث محبت کا اگر ہوگا کہیں
ماحصل اس کا سدا شفقتِ ماں ٹھہرے گی

جس میں کرتا ہے تو اب مشقِ سخن اے برقیؔ
یہی اردو تری عظمت کا نشاں ٹھہرے گی

●

نشاط و کیف سے سرشار زندگی تو ملی
ہو عارضی ہی سہی دل کو اک خوشی تو ملی

بھری بہار میں ہر سو خزاں کے تھے آثار
تمھارے آنے سے گلشن کو تازگی تو ملی

ہماری شکل پہ کرتا ہے ناز ہر ذی روح
بفضلِ حق ہمیں وہ شکل آدمی تو ملی

غمِ حیات تھا سوہانِ روح میرے لئے
لبوں کو میرے تجھے دیکھ کر ہنسی تو ملی

تھی ذہن و فکر پہ پژمردگی سی چھائی ہوئی
شمیم زلف سے پر کیف تازگی تو ملی

تری ہرایک ادا ہے عزیزتر مجھ کو
"زہے نصیب مجھے تیری بے رخی تو ملی"
ہر ایک سمت تھی چھائی فضا میں تاریکی
تمھارے چاند سے چہرے کی چاندنی تو ملی
نہ جانے اور اندھیرے میں رہتا میں کب تک
ہے کون اپنا پرایا یہ آگہی تو ملی
انھیں سے مطلعِ انوار ہے سخن اس کا
ضیائے برق سے برقیؔ کو روشنی تو ملی

●

یہ چمن تمھارا ہے تم ہو باغباں اس کے
تم ہو غنچہ و گُل کے آج پاسباں اس کے
فرض جو ہمارا تھا کردیا ادا ہم نے
ہیں تمہارا سرمایہ آج نوجواں اس کے
تم امین ہو جس کے وہ مری امانت ہے
میہماں ہوں میں جس میں تم ہو میزباں اس کے
یاد ہے تمہیں بھی کیا ان کی یہ فداکاری
آج جتنے چہرے ہیں زیبِ داستاں اس کے
کیا کبھی ترَس آیا تم کو ان کی حالت پر
خوشنوا عنادل کیوں اب ہیں نوحہ خواں اس کے
قافلے کا کیوں اس کے منتشر ہے شیرازہ
اس لئے بنے تھے کیا میر کارواں اس کے
زد پہ آج برقؔ کا کیوں ہے آشیاں ان کی
اِرد گرد رہتی ہیں صرف بجلیاں اس کے

●

اقبالؔ سے ہے تم کو عقیدت تو جتا دو
احساسِ زیاں ملتِ بیضا کوکرا دو
فرصت نہیں سونے سے جنہیں اُن کو جگا دو
اقبال کی یہ بانگِ درا اُن کو سنادو
اعمال سے خود اپنے ہی خود کو نہ سزا دو
آپس کے گِلے شکوے ہیں جو ان کو مٹا دو
کب تک یونہی تم مہرۂ شطرنج رہو گے
اوقات ہے کیا اُس کی زمانے کو بتادو
جل جائے نہ اب اپنا ہی گھر دیکھ لو اِس سے
اب اور نہ اس شعلۂ نفرت کو ہَوا دو
ایسا نہ ہو بجھ جائے کہیں وقت سے پہلے
لَو شمعِ محبت کی ذرا اور بڑھا دو
جینا ہے اگر امن و سکوں سے تمہیں برقیؔ
ہے باہمی نفرت کی جو دیوار گرا دو

●

اللہ رہزنوں میں وہ رہبر اتار دے
سر پر ترے سوار ہے جو، ڈر اتار دے
آنکھوں میں مثلِ خار کھٹکتا ہے جس کی تو
ایسا نہ ہو وہ سینے میں خنجر اتار دے
پرواز کر سنبھل کے ذرا مُرغ خوش نوا
صیاد وقت تیرا نہ شہپر اتار دے
اپنا سمجھ رہا ہے جسے سرپرست تو
وہ زر پرست تیرا نہ یہ سر اتار دے
ہو خوشگوار تیرے لئے آنے والا سال
''دیوار سے پرانا کلینڈر اتار دے''
امن و اماں کی خیر منا اپنے ملک میں
جنگ آزما نہ پھر کوئی لشکر اتار دے
برقیؔ نہ جانے پھر کوئی بے درد باغباں
شاخِ شجر سے اپنا گلِ تَر اتار دے

●

لکھنا ہو جو بھی آپ کو خامہ اٹھایئے
چہرے سے روسیاہوں کے پردا اُٹھایئے
جو کہہ رہے ہیں اہلِ سیاست وہ کیجئے
درکار ہے جو آپ کو پیسا اُٹھایئے
شاید ہے عہدِ نو کی صحافت کا یہ اصول
کرکے ذلیل لطفِ تماشا اُٹھایئے
ساماں یہاں ہیں لذتِ کام و دہن کے سب
حلوہ یہاں، یہاں ہے پراٹھا اُٹھایئے
بریانی بھی، نہاری بھی اور قورمہ بھی ہے
بھیجا اگر پسند ہو بھیجا اُٹھایئے

یہ دورِ چمچہ گیری مبارک ہو آپ کو
چمچوں کی کچھ کمی نہیں چمچہ اُٹھائیے
جتنے بھی آم ہیں یہاں غالب کو تھے عزیز
جو آپ کو پسند ہو ویسا اُٹھائیے
ہے فرض ادائیگی بھی حقوق العباد کی
”اب ہو چکی نماز مصلّٰی اُٹھائیے“
برقیؔ کا ہے ضمیر فروشوں کو مشورہ
آساں ہو چاٹنے میں جو تلوا اُٹھائیے

●

اپنی تاریخ نہیں خود سے مٹانے والا
میں نہیں عظمتِ رفتہ کو بھلانے والا
گردشِ وقت سے رہتا نہیں ہرگز غافل
اپنے اسلاف کی قدروں کو بچانے والا
میں ہوں وہ صید مرے اپنے تھے جس کے صیاد
دوسرا کوئی نہ تھا جال بچھانے والا
نالۂ نیم شبی سے ہے مرے اب نالاں
مجھ پہ تیرِ نگہہِ ناز چلانے والا
منتشر کردیا شیرازۂ ہستی جس نے
خانۂ دل تھا وہی میرا سجانے والا
وعدۂ حشر سے کچھ کم نہیں اس کا وعدہ
منتظر جس کا ہوں آیا نہیں آنے والا
زہر سے ہوگیا اک روز وہ اس کے ہی ہلاک
سانپ کو روز تھا جو دودھ پلانے والا
آج رقاصۂ دوراں یہ نچاتی ہے اسے
انگلیوں پر تھا جو برقؔ کو نچانے والا

●

ہے رواں اور دواں وقت کا کارواں
وقت لیتا ہے ہر شخص کا امتحاں
تلخ و شیریں ہے یہ وقت کی داستاں
ہے کوئی شادماں اور کوئی نوحہ خواں
عارضی زندگی کی ہے جوئے رواں
خالقِ بحر و بَر ہے فقط جاوداں
وقت کی قدر و قیمت کو پہچانئے
وقت سے کچھ بھی بڑھ کر نہیں ہے یہاں
وقت مشکل بھی ہے اور مشکل کشا
اس کو برباد مَت کیجئے رائگاں
ٹوٹ جاتا ہے جاہ و حشم کا بھرم
وقت ہوتا نہیں جب کبھی مہرباں

اشہبِ وقت اِتنا نہ اِترا کے چل
مِٹ نہ جائے کہیں تیرا نام و نشاں
اِس میں مُضمِر ہے میزان سود و زیاں
اس کے زیرِ اثر سب ہیں شاہ و گدا
مُنحصر ہے اسی پر یہ کارِ جہاں
وقت رحمت بھی ہے اور زحمت بھی ہے
وقت غاصب بھی ہے اور ہے پاسباں
چاندنی کی طرح چار دن کی ہے یہ
عارضی جس کی ہے روشنی ضوفشاں
باعثِ ذلت و نیک نامی ہے یہ
یہ زمیں بھی ہے اور ہے یہی آسماں
اوجِ شہرت پہ چاہے تو پہنچادے یہ
اور مٹا دے یہ پل بھر میں نام و نشاں
وقت کرتا ہے ہر شے کی نشو و نما
اس کی زد میں ہیں برقیِ زمان و مکاں

●

کروں میں لاکھ کوشش اُس کی من مانی نہیں جاتی
اسی باعث مری ذہنی پریشانی نہیں جاتی
دکھا کر اک جھلک روپوش ہو جاتا ہے آنکھوں سے
میں مثلِ آئینہ ہوں جس کی حیرانی نہیں جاتی
رواں اشکوں کا سیلِ بیکراں ہے میری آنکھوں سے
تلاطم خیز موجوں کی یہ طُغیانی نہیں جاتی
بہارِ بے خزاں تھی جس چمن میں آج تک اُس میں
نہ جانے کیوں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی
اگر وہ تولتا میزانِ عدل و داد پر اُس کو
کبھی بھی رائیگاں میری یہ قربانی نہیں جاتی

ہے دعویٰ کھوکھلا اُس کا مری آبادکاری کا
مرے حق میں کوئی تجویز ہو، مانی نہیں جاتی

بہر صورت گوارا یہ نہیں ہے میری غیرت کو
یہ تشنہ لب ہے پھر بھی مانگنے پانی نہیں جاتی

مرے پیشِ نظر رہتی ہے ہردم عظمتِ رفتہ
تہی دستی میں بھی یہ خوئے سلطانی نہیں جاتی

نہیں معلوم ہے جن کو قرینہ ستر پوشی کا
چھپیں وہ لاکھ پردوں میں بھی عُریانی نہیں جاتی

نہ کرتا گر تجاوز اپنی حد سے دن کا شہزادہ
مرے پہلو سے اُٹھ کر رات کی رانی نہیں جاتی

ہمیشہ برق کی زد میں ہے میرا آشیاں برقیؔ
کروں آباد جتنا پھر بھی ویرانی نہیں جاتی

●

میں جسے غیر سمجھتا وہ اپنا نکلا
تیر انداز تو اپنا ہی شناسا نکلا
اچھے دن کی تھی تمنا جو ہوئی نقش بر آب
میرا ہمسایہ مرے خون کا پیاسا نکلا
کشتیٔ عمرِ رواں آ کے وہیں ڈوب گئی
تھا کنارا جو سمندر سے بھی گہرا نکلا
قدر و قیمت سے نہ تھا اشکِ رواں کی واقف
قطرۂ چشمِ گہُربار تو دریا نکلا
اپنی خوش فہمی پہ اب آتا ہے مجھ کو رونا
اس کو جیسا میں سمجھتا تھا نہ ویسا نکلا

جا کے پردیس میں وہ بھول گیا میرا وجود
دشمنِ جاں مرا اس دور میں پیسا نکلا
تھی یہ امید کہ بجھ جائے گی اب تشنہ لبی
لبِ ساحل بھی کھڑا رہ کے میں پیاسا نکلا
میں سمجھتا تھا جسے خواب کی اپنے تعبیر
میرا منظورِ نظر حوصلہ فرسا نکلا
پیر و مُرشد میں سمجھتا رہا جس کو تا عمر
اس کا وہ ذوقِ نظر عقل کا اندھا نکلا
سجدۂ شکر بجا لاؤں نہ کیوں رب کے حضور
میرے فرزند کا قد مجھ سے بھی اونچا نکلا
منتظر تھا نگہہِ لطف کا جس کی برقیؔ
بھیڑ میں رہ کے سرِ بزم بھی تنہا نکلا

●

جہاں سے شاد و خرم ہو کے شیخِ محترم نکلے
''بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے''

اُلجھ کر رہ گیا میں ان کو سُلجھانے کی کوشش میں
بہت دشوار زلفِ خَم بہ خَم کے پیچ و خم نکلے

ابھی تک ہم سمجھتے تھے جنھیں درد آشنا اپنا
ہمارا ناک میں کرنے وہی احباب دَم نکلے

کھٹکتے تھے جو مثلِ خار اب تک اُن کی آنکھوں میں
بہ اندازِ دِگر کرنے اُنھیں پر وہ کرم نکلے

تُلے ہیں جو سزا دینے کو جُرمِ بے گُناہی کی
پٹاخے رکھ کے میرے گھر میں وہ کہتے ہیں بَم نکلے

وہ کر کے چند سکوں کے لئے ایمان کا سودا
چلَم بردار بھرنے کے لئے ان کی چلَم نکلے

بزرگوں کے ہمارے چاٹتے تھے پہلے جو تلوے
نئی تاریخ کرنے کے لئے اپنی رَقَم نکلے

بہت دشوار تھا برقیؔ سفر راہِ محبت کا
ہمارے جادۂ اُلفت میں جس جانب قَدم نکلے

●

توڑ کر عہدِ وفا خوب وہ پچھتایا ہے
"ناروا اپنا رویہ اسے یاد آیا ہے"
کیسے کرلوں میں یقیں قول و قسم پر اس کے
سبز باغ اُس نے ہمیشہ مجھے دکھلایا ہے
کام اُس کے لئے دشوار نہ کوئی ہوگا
جس نے اُس زُلفِ گرہ گیر کو سلجھایا ہے
اپنے سائے سے بھی ہوتی ہے مجھے اب وحشت
میرا یہ جوشِ جنوں مجھ کو کہاں لایا ہے
بند و بست اُس کی ضیافت کا کروں گا کیسے
کھو دیا اپنا جو سب کچھ تو اسے پایا ہے
ابنِ انشا نے کہا تھا جو مجھے یاد ہے وہ
آج جو کچھ نظر آتا ہے یہاں مایا ہے
تھا مرے گلشنِ ہستی کی جو رونق برقیؔ
گلِ گلزارِ تمنا وہی مُرجھایا ہے

●

دل سے ملائے دل کو نہ جو دل لگی نہیں
سوزِ دروں نہ جس میں ہو وہ شاعری نہیں
تاراج ہو نہ جائے کہیں گلشنِ حیات
"پہلے کبھی غریب پہ بجلی گری نہیں"
رہتا ہے میرے درپئے آزار کس لئے
ایسی تو اس سے میری کوئی دشمنی نہیں
خلقِ خدا سے جس کا نہ ہو کوئی رابطہ
وہ جو بھی ہو نظر میں مری آدمی نہیں
خونِ جگر سے اپنے سنوارا تھا جو چمن
اپنے نصیب میں کوئی اس کی کلی نہیں

وہ حاذقِ زماں ہے اگر تو ہوا کرے
کس کام کی جو میری ہی چارہ گری نہیں

کیسے امیرِ شہر پہ کرلوں میں اعتبار
کہتا ہے مال و زر کی کوئی بھی کمی نہیں

کیوں فاقہ مست لوگ ہیں، ہے یہ اگر درست
خالی غریب لوگوں سے کوئی گلی نہیں

محفوظ رکھ سکے نہ جو سرمایۂ وطن
برقیؔ یہ رہزنی ہے کوئی رہبری نہیں

●

اُس کے روئے زیبا میں کیا بتائیں کیا پایا
خود کو روبرو اُس کے آئینہ نما پایا
مل سکا نہ وہ لیکن ہم نے اس کے بدلے میں
''آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا''
میرے عزمِ راسخ نے میری دستگیری کی
خود کو راہِ الفت میں جب شکستہ پا پایا
تلخ زندگی کا ہے ان سے ذائقہ میری
ہمنشیں تھے جو میرے ان کو بے وفا پایا
مرغِ خوشنوا تھے جو، آج نوحہ خواں ہیں وہ
سب کا صحنِ گلشن میں بند ناطقہ پایا

کر سکا نہ جو پورا اپنا ایک بھی وعدہ
پوچھتا ہے وہ مجھ سے بول تو نے کیا پایا
درسِ امن عالم کا دے رہا ہے جو سب کو
اس کو بارہا میں نے جنگ آزما پایا
بازیگر سیاست کے تھے وہ عصر حاضر کی
رہزنوں سے بدتر تھے جن کو رہنما پایا
جانِ جاں سمجھتے تھے جس کو آج تک برقیؔ
اس کے عشق میں ہم نے دردِ لا دوا پایا

●

ہے یہ سوغات مجھے اس سے شناسائی کی
دیدہ و دل سے مری اس نے پذیرائی کی
خانۂ دل میں جلا کر مرے یادوں کے چراغ
عالمِ خواب میں یوں انجمن آرائی کی
زیر و بَم طرز تکلم میں تھا اس کے ایسا
دور سے جیسے صدا آتی ہو شہنائی کی
زخم خوردہ تھیں یہ دیدار کی پیاسی آنکھیں
اس کی تصویر تصور نے مسیحائی کی
اس قدر ذہن پہ حاوی تھا مرے جوشِ جنوں
نہ رہی فکر کوئی ذلت و رسوائی کے

ایسا لگتا تھا کہ ہے دوشِ صبا پر وہ سوار
''اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی''
بے وفائی کا میں شکوہ کروں کیسے اس کی
''بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی''
رنگ پروینؔ میں ہے حسن تغزل ایسا
جس کے ہر شعر میں معراج ہے زیبائی کی
خامہ فرسائی ہے برقیؔ کی غزل اس کے حضور
صرف کوشش ہے یہ اک قافیہ پیمائی کی

●

نہیں ہو جیسے کوئی مُفلس و نادار کے پیچھے
جسے دیکھو لگا ہے درہم و دینار کے پیچھے

نہیں شکوہ مجھے کوئی رقیبوں اور غیروں سے
مرے اپنے ہی درپردہ تھے میری ہار کے پیچھے

تھے مارِ آستیں جو پَل رہے تھے میرے دامن میں
نہ جانے بھاگتا پھرتا تھا کیوں میں مار کے پیچھے

سمجھ لیں گے دلِ درد آشنا ہے جن کے سینے میں
نہاں سوزِ دروں ہے دیدۂ خونبار کے پیچھے

سبھی اک دوسرے کے حاشیہ بردار ہوں جیسے
کوئی ہے یار کے پیچھے کوئی اغیار کے پیچھے

صحافی کر رہے ہیں خوں صحافت کے اُصولوں کا
پڑے ہیں اس لئے وہ میرے ہی کردار کے پیچھے
کرے کوئی بھرے کوئی کا ہے مجھ پر مَثل صادق
مرا ہی ذکر رہتا ہے ہر اک اخبار کے پیچھے
ریا کاری سے اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں
جو ایسا کر رہے ہیں جبہ و دستار کے پیچھے
جسے غَم دیدہ ہو جاتے ہیں سن کر اہلِ دل برقیؔ
"کوئی دیوار گریہ ہے ترے اشعار کے پیچھے"

●

ہم ہیں کس حال میں ہم سے کوئی پوچھا نہ کرے
''ہم کہیں ہیں کہ نہیں ہیں کوئی چرچا نہ کرے''

اپنی بے لوث محبت کا تماشا نہ کرے
نہیں ملنا ہے اگر ذکر ہمارا نہ کرے

روبرو دعوتِ نظارہ دے آکر سرِ بزم
ہم کو دُزدیدہ نگاہی سے اشارہ نہ کرے

موت سے کم نہیں گُھٹ گُھٹ کے یہ جینا شبِ ہجر
اس سے کہدو ہمیں بے موت وہ مارا نہ کرے

درِ دل وا ہے مرا اُس کے لئے آجائے
وہ ستانے کے لئے خواب میں آیا نہ کرے

منتشر کرکے وہ شیرازۂ ہستی میرا
خود کو آئینے میں اس طرح سنوارا نہ کرے

عشق کرنا ہے تو پھر سوچ لو اس کا انجام
کہیں برقیؔ سرِ بازار وہ رسوا نہ کرے

●

ملنا ہے اگر مجھ سے تجھے آ کے ابھی مل
سینے میں دھڑکتا ہے مرے پیار بھرا دل
منجدھار میں ہے کشتیِ دل دور ہے منزل
کب جانے ملے گا مری امید کا ساحل
دروازۂ دل پر مرے کب دے گا وہ دستک
جس کے لئے بیچین ہوں وہ مجھ سے ہے غافل
ڈر ہے یہ مرا شیشۂ دل ٹوٹ نہ جائے
یہ ایسے تڑپتا ہے ہو جیسے کوئی بسمل
پرکیف ہیں جس کی یہ کنکھیوں کے اشارے
وہ جس میں نہ موجود ہو بے رنگ ہے محفل

اس نے ہی دکھائے ہیں یہ پُرکیف نظارے
ہے مطلعِ انوار مری آنکھ کا جو تل
مل جاتی ہے تسکین یہی سوچ کے دل کو
تھا حق سے نبرد آزما ہر دور میں باطل
میں جیت بھی جاتا تو مری ہار تھی برقی
تھا میرا ہی پروردہ مرے مد مقابل
حق تلفی جو کرتا ہے وہ ہے باعث زحمت
ہے رحمتِ حق ملک میں اک حاکمِ عادل
تھا اس کے لئے اپنے دل و جاں سے جو پیارا
برقی کی تمناؤں کا نکلا وہی قاتل

●

میں اُس سے مِل کے خانماں برباد رہ گیا
قسمت میں میری نالہ و فریاد رہ گیا
آیا نہ میرے کام کوئی اس کا سبز باغ
نامطمئن مرا دلِ ناشاد رہ گیا
جاتا نہیں ہے ذہن سے اس کا مرے خیال
''جو بھولنا تھا مجھ کو وہی یاد رہ گیا''
وہ کررہا ہے تنگ مرا عرصۂ حیات
جانا تھا جس کو وہ ستم ایجاد رہ گیا
راتوں کی نیند دن کا سکوں ہوگیا حرام
دے کر دغا مجھے مرا ہمزاد رہ گیا
عہدِ رواں میں گردشِ حالات دیکھئے
رہنا تھا جس کو قید میں آزاد رہ گیا
کرتا ہے جن پہ ناز جہانِ مصوری
مانی رہا جہاں میں نہ بہزاد رہ گیا
ہے چار دن کی چاندنی برقیؔ جمالِ یار
ہے کون جس کا حُسنِ خداداد رہ گیا

●

بجا تھا پہلے بیجا رہ گیا ہوں
نہیں تھا ایسا جیسا رہ گیا ہوں

میرا سایہ ہی میرا ہمنشیں ہے
"میں اپنے پاس بیٹھا رہ گیا ہوں"

کروں میں کس سے عرضِ حال اپنی
بھری محفل میں تنہا رہ گیا ہوں

سمندر کی طرح ہے میری حالت
ہے پانی پھر بھی پیاسا رہ گیا ہوں

بساطِ زندگی پر کیا بتاؤں
مقدر کا میں مُہرا رہ گیا ہوں

نہیں ہے کوئی میرے آگے پیچھے
میں اپنوں میں اکیلا رہ گیا ہوں

ہے برقیؔ زندگی ایسا معمہ
اسی کے گِرد اُلجھا رہ گیا ہوں

●

سیاست کا میں مُہرا رہ گیا ہوں
وہ آقا ہیں میں بندا رہ گیا ہوں

ہے زیرِ لب تبسم کیوں سبھی کے
میں جیسے اک تماشا رہ گیا ہوں

مجھے چشمِ حقارت سے نہ دیکھو
میں فکرو فن میں یکتا رہ گیا ہوں

ہے اتنا شور بزمِ آب و گِل میں
میں گونگا اور بہرا رہ گیا ہوں

نگاہیں دیکھ کر ہیں اس کو خیرہ
اسے دیکھا تو تکتا رہ گیا ہوں

سمجھتے ہیں مجھے وہ جنسِ ارزاں
ہر اک شے سے میں سستا رہ گیا ہوں

دکھائی راہ جن کو زندگی بھر
وہ کہتے ہیں میں اندھا رہ گیا ہوں

نگاہیں پھیر لیں جب سے انھوں نے
میں برقیؔ ہکّا بکّا رہ گیا ہوں

●

ارمان جتنے دل میں تھے سب خاک ہو گئے
سوزِ دروں تھا ایسا کہ نمناک ہو گئے

کہتے ہیں اب وہ صاحب اِدراک ہو گئے
"بچے ہمارے عہد کے چالاک ہو گئے"

کل تک مجھے سمجھتے تھے کوہِ گراں جو آج
میرے حریف وہ خس و خاشاک ہو گئے

اب یہ ستم ظریفی حالات دیکھئے
جو دُم دبائے بیٹھے تھے بیباک ہو گئے

شیرازہ زندگی کا ہوا ایسا مُنتشر
ہم جیسے ایک شانۂ صد چاک ہو گئے

ہم کیا بتائیں آپ کو اب اپنا حالِ زار
ہم تو شکارِ گردشِ افلاک ہو گئے

تھے مارِ آستیں مرے پروردہ اِس لئے
میرے لئے وہ وقت کے ضحاک ہو گئے

برقیؔ سمجھ رہے تھے جنھیں ہم وفا شعار
وہ پاکباز فاسد و ناپاک ہو گئے

●

نخلِ حیات کے مرے برگ و ثمر بدل گئے
"اب کے بَرَس بہار میں کتنے شجر بدل گئے"

میرے نصیب میں نہ تھا جادۂ شوق کا سفر
ایسے میں تھے جو ہمسفر، عزمِ سفر بدل گئے

سود و زیاں سے رہتی ہے اپنے فقط جنھیں غرض
دیکھتے ہی ہوا کا رخ اہلِ نظر بدل گئے

بنتے تھے جو وفا شعار ان کا نہیں کوئی پتہ
کیسے کریں اُنھیں تلاش اپنا جو گھر بدل گئے

قول و قسم پہ آج تک جن کے مجھے تھا اعتبار
دیکھ کے اپنے سامنے لعل و گُہر بدل گئے

اپنے پرائے ہو گئے وقتِ زوال سب مرے
ایسے میں کیا کروں گا میں، وہ بھی اگر بدل گئے

برقیؔ میں جلوہ گر ہے جو، برقؔ کی ہے وہ روشنی
گردشِ روزگار سے شمس و قمر بدل گئے

●

وقت کے ساتھ مرا یار بدل جاتا ہے
دیکھ کر گرمیٔ بازار بدل جاتا ہے
دیکھ کر شیوۂ گفتار بدل جاتا ہے
اس کے اقرار سے انکار بدل جاتا ہے
پیٹ کے بندے ہیں جتنے ہیں رکابی مذہب
دیکھتے دیکھتے کردار بدل جاتا ہے
ہے یہ اک تلخ حقیقت نہ فسانہ سمجھو
چند سکوں کے عوض پیار بدل جاتا ہے
عہدِ حاضر کی سیاست اُسے راس آتی ہے
قول سے اپنے وہ عیار بدل جاتا ہے
بوڑھے ماں باپ ہیں بیٹے کے لئے بارِ گراں
دیکھ کر درہم و دینار بدلا جاتا ہے
ہے روایت سے بغاوت کا چلن کچھ ایسا
پیار اور پیار کا اظہار بدل جاتا ہے
اتنی سُرعت سے بدلتا ہے زمانہ برقیؔ
''صرف تاریخ سے اخبار بدل جاتا ہے''

●

جھونکے ہماری سمت ہی بادِ خزاں کے ہیں
ہم جیسے پھول اور کسی گلستاں کے ہیں
گلشن کا اپنے حال ہے اب کچھ دنوں سے یہ
''گُل ہیں مگر ستائے ہوئے باغباں کے ہیں''
سمجھائیں کیسے تلخ حقیقت یہ ان کو ہم
گلہائے رنگ و بو سبھی ہندوستاں کے ہیں
پاس و لحاظ اس کا بھی شاید نہیں انہیں
ہم بھی اُسی دیار کے ہیں وہ جہاں کے ہیں
قرب و جوار میں ہیں کئی اور بستیاں
دشمن نہ جانے کیوں وہ مرے آشیاں کے ہیں
کردیں نہ ختم صفحۂ تاریخ سے اسے
پیچھے پڑے وہ ایسے مری داستاں کے ہیں
دشمن ہیں اب ہماری وہ ملی شناخت کے
کچھ سر پھرے ہیں ایسے جو دشمن اذاں کے ہیں
برقیؔ کی عرضِ حال اُنہیں ناپسند ہے
لگتا ہے یہ مریض وہ وہم و گماں کے ہیں

●

سکون ملتا ہے جس کو مجھے ستانے سے
نہ باز آئے گا وہ مجھ پہ مُسکرانے سے
بہارِ صحنِ چمن میں ہے میرے آنے سے
چلا گیا تو نہ آؤں گا پھر بُلانے سے
خزاں کے بس میں نہیں روک دے وہ رشد و نمو
''چمن میں پھول کھلیں گے کسی بہانے سے''
امیرِ شہر کو آنا ہے گر خود آجائے
ہے احتراز مجھے اُس کے پاس جانے سے
اُسے ہے بارِ سماعت ہر ایک بات مری
ملے گا کیا اُسے سوزِ دروں سنانے سے

ہے بے لگام جو عہدِ رواں میں اشہبِ وقت
ڈرے وہ کہہ دو زمانے کے تازیانے سے
وہ سوچتا ہے کہ مسند نشین پھر ہوگا
مجھے ہی تختۂ مشقِ ستم بنانے سے
کہو مِلائے نہ آنکھیں وہ موجِ دریا سے
حباب ٹوٹ گیا اپنا سر اُٹھانے سے
دکھا رہا ہوں اسے اس کی شکل میں اُس میں
وہ کیوں ہے چیں بہ جبیں آئینہ دکھانے سے
ہیں آس پاس کئی اور بستیاں موجود
جلن ہے کیوں اُسے بس میرے آشیانے سے
مجھے سمجھتا ہے جو اپنا مُہرۂ شطرنج
وہ چوکتا نہیں اپنے کبھی نشانے سے
تھا مارِ آستیں جب خود ہی میرا پروردہ
نہیں ہے اب کوئی شکوہ مجھے زمانے سے
خدا نے دی ہے مرے منہ میں بھی زباں برقیؔ
اگر میں بولا تو بولوں گا پھر ٹھکانے سے

●

جس کو سمجھ رہا تھا میں درد آشنا بہت
خونِ جگر اُسی نے مسلسل پیا بہت

ترکِ تعلقات میں جس کو لگی نہ دیر
دیکھا نہ اُس نے مُڑ کے بُلاتا رہا بہت

ہے جس کا زخمِ تیرِ نظر لاعلاج آج
تھے دلفریب غمزہ و ناز و ادا بہت

ساکت قلم ہے، گُنگ زباں، ذہن بد حواس
سوزِ غمِ فراق ہے صبر آزما بہت

اس کے بغیر موت سے بدتر ہے زندگی
جینا عذاب ہوگیا میں جی لیا بہت

جینے کا صرف تو تھی سہارا مرے لئے
''یادِ فراق یار ترا شکریہ بہت''

ماہر ہے سبز باغ دکھانے میں سب کو جو
وعدوں سے اپنے صِرف لُبھاتا رہا بہت

جو صرف اپنے من کی سناتا ہے سب کو بات
اُس نے سنی نہ ایک سنا تا رہا بہت

گلشن میں ہے یہ غنچہ و گُل کی زبان پر
کرنا تھا جتنا صبر ہمیں کرلیا بہت

میں دیکھتا تھا آکے کبھی جس میں اپنا عکس
حیراں ہے مجھ کو دیکھ کے وہ آئینہ بہت

برقیؔ میں اس کی دیدہ دلیری کو کیا کہوں
کرکے نہ کچھ بھی کہتا ہے میں نے کیا بہت

●

میں ہنستا ہوں تو وہ آنسو بہانے بیٹھ جاتے ہیں
مری کوتاہیاں مجھ کو گنانے بیٹھ جاتے ہیں
وہ جب بھی روٹھتا ہے یوں منانے بیٹھ جاتے ہیں
''کوئی تازہ غزل اُس کو سنانے بیٹھ جاتے ہیں''
تعاقب کرتا رہتا ہے مرا ، تیرِ نظر اُن کا
لگا کر مجھ پہ وہ اپنے نشانے بیٹھ جاتے ہیں
میں عرض حال کرنے بیٹھتا ہوں ان سے جب اپنی
سنانے مجھ کو وہ اپنے فسانے بیٹھ جاتے ہیں
وہ کرتے ہیں دلآزاری ، مرا شیوہ ہے دلجوئی
مرا خونِ جگر وہ کیوں جلانے بیٹھ جاتے ہیں
گذرتی ہے جو مجھ پر وہ کروں کس سے بیاں جا کر
وہ کیا تھے اب ہیں کیسے یہ بتانے بیٹھ جاتے ہیں
ہنسی آتی ہے مجھ کو اُن کی اِس دیدہ دلیری پر
ترنم سے غزل میری وہ گانے بیٹھ جاتے ہیں
بنا کر تختۂ مشقِ ستم اپنا مجھے برقی
مرا صبر و تحمل آزمانے بیٹھ جاتے ہیں

●

چُپ تھے ہم جب تو دل لگا بیٹھے
"سب نے چھیڑا تو لب ہلا بیٹھے"

مُڑ کے دیکھا نہ اُس نے ایک نظر
غیر کی طرح ہم بھی جا بیٹھے

اس کو کہتے سنا یہ لوگوں نے
کس کو محفل میں ہم بُلا بیٹھے

جب اچانک نظر پڑی تو کہا
بِن بُلائے کہاں سے آ بیٹھے

سننے والا کوئی نہ تھا پھر بھی
حالِ دل اپنا ہم سنا بیٹھے

چارہ گر کی تھا شکل میں وہ رقیب
زخمِ دل ہم کسے دکھا بیٹھے

جسم میں خوں ہے آتشِ سیال
جان کر اپنا دل جَلا بیٹھے

حاصل ِ جذبِ شوق ہے بس یہ
پاس جو کچھ تھا وہ گنوا بیٹھے

سینہ کوبی کا اہتمام کرو
اب بہت جشن تم مَنا بیٹھے

زندگی بوجھ بن گئی خود پر
جانے اپنا کسے بنا بیٹھے

جس نے برقی کی لی نہ کوئی خبر
اُلٹے کہتا ہے تم بُھلا بیٹھے

●

کیوں ہو گیا روپوش مجھے اپنا بنا کے
پوچھا نہ کبھی حال مرا بھولے سے آ کے
کیا تجھ کو مِلا شمعِ محبت کو بجھا کے
کیوں خاک کیئے دل کے سب ارمان جَلا کے
کب آئے گا پردہ رخِ روشن سے ہٹا کے
''بے نور ہوئیں آنکھیں ترے خواب سجا کے''
آتی نہ تھی جب چارہ گری تجھ کو تو آخر
زخمی کیا کیوں تیرِ نظر مجھ پہ چلا کے
آنکھوں میں ہے میری تری تصویر تصور
جاتا ہے کہاں مجھ سے نظر اپنی چُرا کے

معلوم نہ تھی مجھ کو تری شعبدہ بازی
میں آ گیا جھانسے میں ترے ناز و ادا کے
گر تجھ کو ملانا ہے تو پھر دل سے مِلا دل
کیوں چھوڑ دیئے ہاتھ سے یہ ہاتھ مِلا کے
بہتر تھا نہ کرتا تو مدد وقتِ ضرورت
اچھا نہ کیا تونے یہ احسان جتا کے
آنا ہے تو آ دیتا ہے کیوں جھوٹی تسلی
کیا مِلتا ہے برقیؔ کو شبِ ہجر رُلا کے

●

جو غمزدہ دلوں کا سہارا بنا رہا
خلقِ خدا کی آنکھ کا تارا بنا رہا

یادیں تھیں اس کی ساتھ مرے وہ نہیں تو کیا
رہتے ہوئے وہ دور دلآرا بنا رہا

اک دلفریب غمزہ و ناز و ادا کے ساتھ
اس کا سکون بخش نظارا بنا رہا

دلجوئی اس کی کرتے تھے پیہم بصد خلوص
''شاید اسی لئے وہ ہمارا بنا رہا''

جب ناخدائے کشتیٔ دل بن گیا رقیب
تب دور دسترس سے کنارا بنا رہا

خوں جسم میں تھا آتشِ سیال کی طرح
دل میرا جیسے ایک شرارا بنا رہا

جذبات کا سبھی کے جو کرتا رہا لحاظ
برقیؔ نظر میں سب کی وہ پیارا بنا رہا

●

تختۂ مشقِ ستم اپنا بنانے کے لئے
میں ہی تنہا رہ گیا تھا کیا ستانے کے لئے
کتنا لے گا امتحاں تو اور غیرت کا مری
میں گذر جاؤں گا حد سے تجھ کو پانے کے لئے
زد پہ ہردم برق کی کیوں ہے مرا ہی آشیاں
ہر کسی کو ہے ضرورت سر چھپانے کے لئے
خون کے آنسو رُلائے گی تجھے یہ بے رخی
ایک دن آئے گا تو مجھ کو بُلانے کے لئے
اب منانے کے لئے آنا ترا بے سود ہے
تجھ سے یہ کس نے کہا تھا بھول جانے کے لئے
تیری یہ برقِ تجلی مارڈالے گی مجھے
تو ترَس جائے گا اک دن مسکرانے کے لئے

شمعِ محفل نے جلایا پہلے پروانوں کو پھر
اب بہاتی ہے یہ آنسو بس دکھانے کے لئے
زندگی بھر کی کمائی کیوں کھٹکتی ہے تجھے
صرف کردی میں نے جو اک گھر بنانے کے لئے
چھوڑ کر اپنا وطن پردیس میں ہیں جو مقیم
مارے مارے پھر رہے ہیں آب ودانے کے لئے
ہو گئے ہیں خشک آنسو روتے روتے اس لئے
مسکراتا ہوں میں اپنا غم بُھلانے کے لئے
خونِ دل اپنا جلایا زندگی کی دھوپ میں
تِنکہ تِنکہ جوڑ کر اک آشیانے کے لئے
اس کے آگے کیوں سرِ تسلیم اپنا خم کروں
ہے خدا کے سامنے جو سر جھکانے کے لئے
شامتِ اعمال تھی جو لے گئی مجھ کو وہاں
''ورنہ میں اور اُڑ کے جاتا آب ودانے کے لئے''
گُنگناتے ہیں جسے ہر وقت برقیؔ اعظمی
داددیں اقبال کو قومی ترانے کے لئے

●

وہ ہم کو دیدہ و دانستہ کیوں ستاتے ہیں
ہمیں جو تختۂ مشقِ ستم بناتے ہیں
وہ ہیں ہماری بدولت ہی آج تخت نشیں
جو کر کے ظلم و ستم ہم پہ مسکراتے ہیں
وہ دیکھیں اپنے گریباں میں جھانک کر پہلے
ہمیشہ انگلیاں ہم پر ہی جو اٹھاتے ہیں
کہیں نہ ان کو بھی رونا پڑے ہماری طرح
ہمیں جو خون کے آنسو سدا رُلاتے ہیں
غمِ فراق سے نا آشنا ہیں وہ شاید
جو اپنے وعدۂ فردا کو بھول جاتے ہیں

ہیں زود رنج وہ کس درجہ کیا بتائیں ہم
وہ روٹھ جاتے ہیں جب بھی انھیں مناتے ہیں
تمام غنچہ و گل منتظر ہیں گلشن میں
نیا وہ کون سا گُل دیکھئے کھلاتے ہیں
ہم اس امید میں آ جائیں شاید اچھے دن
تمام جور و ستم ان کے بھول جاتے ہیں
ہیں ہم بھی سینہ سپر ان کے روبرو برقؔ
جو تیرِ غمزہ و ناز و ادا چلاتے ہیں

●

ہر ایک شخص تمہارے لئے پرایا ہے
"تمہیں خدا نے ہمارے لئے بنایا ہے"
طلسمِ ہوش رُبا ہے تمہاری صورت میں
میں خود کو بھول گیا جب سے تم کو پایا ہے
نہ پوچھو کیسا ہے کیف و سرور کا عالم
تمہارا ذہن میں جب سے خیال آیا ہے
غم و الم ہیں محبت میں لازم و ملزوم
کہاں سکون اسے جس نے دل لگایا ہے
ہوں اس کے غمزہ و ناز و ادا کا گرویدہ
گِرا کے برقِ تبسم جو مسکرایا ہے

مجھے تمہارے سوا کچھ نظر نہیں آتا
تمہارا حُسن مرے ذہن و دل پہ چھایا ہے
تمہاری زلفِ دوتا ہے جو میرے شانے پر
سکونِ قلب کا باعث اسی کا سایہ ہے
تمہارے سر کی قسم یہ بتاؤ کیا تم نے
کسی سے وعدۂ فردا کبھی نبھایا ہے
گنوایا جس کے لئے عمر بھر کا سرمایہ
اسی نے خون کے آنسو مجھے رلایا ہے
جنونِ شوق میں برقیؔ جدھر جدھر بھی گیا
فریب ہستئ ناپایدار کھایا ہے

●

میں جہاں ہوں ہم وطنو جانے کیسی بستی ہے
رہزنوں کے نرغے میں کاروانِ ہستی ہے
میکشوں کا اک حلقہ اِرد گِرد ہے اُس کے
اس کی چشمِ میگوں میں کس بلا کی مستی ہے
ہر طرف ہے ویرانی جاؤں تو کہاں جاؤں
دل کی ہے یہ بستی جو، بستے بستے بستی ہے
خون کا اثر اس کے رنگ لائے گا اک دن
ختم وہ نہیں ہوگی ذہن میں جو پستی ہے
وہ ہے گر ستم پیشہ سخت جان ہوں میں بھی
دیکھتا ہوں اب اس کی دال کیسے گلتی ہے
آج وقت ہے اس کا کل مرا بھی آئے گا
آتی ہے مصیبت جب ٹلتے ٹلتے ٹلتی ہے
آتشِ محبت کی ہے یہ کار فرمائی
بجھتے بجھتے بجھتی ہے جلتے جلتے جلتی ہے
جانِ جاں سمجھتا تھا جس کو آج تک برقی
مارِ آستیں بن کر اب اسے وہ ڈستی ہے

●

دشمنِ جاں مرا کب تک یہ زمانہ ہوگا
میں نے کیا اس کا بگاڑا ہے بتانا ہوگا
جانے سونے سے ملے گی اسے کب تک فرصت
''خواب غفلت میں ہے یہ قوم جگانا ہوگا''
اس کے کردار کی پستی کا نہ پوچھو عالم
گر رہی ہے جو اسے پھر سے اُٹھانا ہوگا
اپنے اسلاف کی عظمت سے نہیں جو واقف
از سرِ نو یہ اسے پھر سے بتانا ہوگا
منتشر مسلکی بنیاد پہ ہیں جو اب تک
پھر انہیں نغمۂ توحید سنانا ہوگا
رہنما جن کا نہیں عہدِ رواں میں کوئی
ایک مرکز پہ انہیں پھر سے بُلانا ہوگا

آج خطرے میں ہے خود قومی تشخص جس کا
اُس کو اُس قعرِ مزلت سے بچانا ہوگا

اس نئے دور میں کردار و عمل سے اپنے
ہم ہیں کیا خود یہ زمانے کو بتانا ہوگا

ورنہ جینے نہیں دیں گے یہ ہمیں اہلِ جہاں
تفرقے جو ہیں انہیں مِل کے مٹانا ہوگا

میری یہ طرحی غزل سوزِ دروں ہے میرا
میری آواز میں آواز مِلانا ہوگا

جس کا کرتے رہے اقبال تقاضا تا عمر
کیا کوئی "بانگِ درا" اور بھی لانا ہوگا

دفن ہو جس میں نئے دور کی ممتاز محل
کیا کوئی تاج محل اور بنانا ہوگا

خاک ہو جائے نہ کاشانۂ ہستی اپنا
شعلۂ بغض و عداوت کو بجھانا ہوگا

اب بھی ہے وقت سنبھل جائیں تو اچھا ہوگا
کیا ہے توحید یہ برقیؔ کو بتانا ہوگا

●

ہمت نہیں کسی میں ہے اُس سے سوال کی
"وہ تیس سال سے ہے وہی بیس سال کی"
کب کہہ دے کیا وہ اس کا کسی کو نہیں پتہ
کرتی ہے بات اپنے وہ جاہ و جلال کی
ڈر ہے کہیں نہ کھینچ لے اپنی زبان سے
سب کو لگی ہے فکر فقط اپنی کھال کی
طاری ہے اُس پہ ایسا نشہ عز و جاہ کا
کوئی نہیں ہے فکر عروج و زوال کی
جو کہہ رہی ہے اس کا نہ سر ہے نہ پیر ہے
اس کو نکالنی ہے فقط کھال بال کی

سب دم بخود تھے دیکھ کے اُس کا یہ طمطراق
دل میں مجال ہی نہ رہی عرضِ حال کی

میرا جنونِ شوق بھی آیا نہ میرے کام
تصویر بن کے رہ گیا حُزن و مَلال کی

کیسے دوں اس دروغ بیانی کا میں جواب
چھپوادی اُس نے میرے خبر انتقال کی

اب آپ اُس کی دیدہ دلیری تو دیکھئے
کہتی ہے اپنی فکر کرو چال ڈھال کی

خواب و خیال میں بھی نہ تھا جو گزر گیا
برقیؔ مجھے تو فکر ہے اپنے مآل کی

●

گلبدن، غنچہ دہن ماہ لقا بھی آئی
لے کے اپنی نگہہِ ہوش ربا بھی آئی
ساتھ میں اپنے لئے تیرِ قضا بھی آئی
دردِ دل کے لئے ہمراہ دوا بھی لائی
مُرتَعِش دیکھ کے تھا اس کو مرا تارِ وجود
''دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی''
خانۂ دل پہ شبِ وصل جو تھی سایہ فگن
اپنی زلفوں کی لئے کالی گھٹا بھی آئی
غمزہ و ناز و ادا دیکھ کے اس کے دل کو
مرنے جینے کی محبت میں ادا بھی آئی
تلخ و شیریں ہے بیک وقت یہ رودادِ جنوں
خاک میں میرے عزائم کو مِلا بھی آئی
شمعِ امید کی لو اور بڑھا کر برقیؔ
دل میں وہ حسرتِ خوابیدہ جگا بھی آئی

●

ملت کا اپنی مونس و غمخوار بھی تو ہو
کوئی تو اِن میں قافلہ سالار بھی تو ہو
کب سے جگا رہا ہوں یہ جاگیں تو کچھ کہوں
خوابِ گراں سے جب کوئی بیدار بھی تو ہو
قول و عمل پہ کیسے کروں اس کے اعتبار
اُس بدنہاد کا کوئی کردار بھی تو ہو
اب تک تھا جن سے سابقہ تھے مارِ آستیں
دل کس سے میں لگاؤں کوئی یار بھی تو ہو
سنتا نہیں ہے آج کوئی میرے من کی بات
میں کس کو دوں بیاں کوئی اخبار بھی تو ہو
حسرت بھری نگاہ سے دیکھوں میں کیا وہاں
ارزاں متاعِ کوچہ و بازار بھی تو ہو
برقیؔ سبھی کو اچھے دنوں کا ہے انتظار
کہتے ہیں سب یہی کوئی بیزار بھی تو ہو

●

اس کربِ مسلسل سے نہیں کوئی مَفر بھی
گُھٹ گُھٹ کے شبِ ہجر میں جاتا نہیں مَر بھی

کہتا ہے کہ آیا تھا مرے خانۂ دل میں
جانے کی نہ دی جس نے مجھے کوئی خبر بھی

بازارِ سخن میں ہیں ترنم کے خریدار
اب تحت میں بیکار ہے اعجازِ ہُنر بھی

یہ ترکِ تعلق کا نتیجہ ہے کہ جس سے
اِک شدتِ جذبات اِدھر بھی ہے اُدھر بھی

اب سینہ سپر ہوں میں ترے مد مقابل
ہو جائے نہ یہ کُند ترا تیرِ نظر بھی

دنیا بھی سلامت رہے عقبیٰ بھی سلامت
درکار ہے دونوں کے لئے زادِ سفر بھی

کچھ ساتھ نہ جائے گا بجز نامۂ اعمال
بے سود ہیں تیرے لئے یہ لعل و گُہر بھی
جینے نہیں دیں گی تجھے مظلوم کی آہیں
کیا دل میں نہیں ہے ترے اللہ کا ڈر بھی
تو توڑ خوشی سے اسے پر اتنا سمجھ لے
دل بندۂ مومن کا ہے اللہ کا گھر بھی
ہیں مصلحت اندیش ہوں اپنے کہ پرائے
کچھ کام نہ آئے گا ترا نورِ نظر بھی
آیا تھا اکیلا جو وہ جائے گا اکیلا
رہ جائے گا دنیا ہی میں زردار کا زر بھی
برقی کے نشیمن کو جلا شوق سے لیکن
طوفانِ حوادث کی ہے زد میں ترا گھر بھی

●

جوشِ جنوں میں کون ہے اپنا کون پرایا بھول گیا
''نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا''
دیکھ کے اس کا چہرۂ زیبا عرضِ تمنا بھول گیا
مصرعۂ ثانی یاد رہا پر مصرعہ اولیٰ بھول گیا
ذہن پہ اس کے حسن کا جادو ایسا اثر انداز ہوا
غمزہ و ناز میں ایسا کھویا کیا کیا دیکھا بھول گیا
چشمِ تصور میں ہے ابھی تک اس کا دھندلا دھندلا عکس
صفحہ دل پر تھا جو لب و رخسار کا خاکہ بھول گیا
آ گیا زد میں تیر نظر کی گم ہیں اب اس کے ہوش و حواس
دردِ جگر کا خود ہی مسیحا اپنے مداوا بھول گیا
ہونے لگا ہے سوزِ دروں کی ابھی سے شدت کا احساس
اس کے بغیر کروں گا تنہا کیسے گذارا بھول گیا
دے گا کب دروازۂ دل پر دستک یہ معلوم نہیں
کر کے ہمیشہ برقیؔ سے وہ وعدۂ فردا بھول گیا

●

نہیں جاتی ہے کوئی رائیگاں تدبیر بسم اللہ
پس از تخریب کرتے ہیں نئی تعمیر بسم اللہ
لڑائے گی مری تدبیر اب تقدیر سے پنجہ
لکھے گا از سرِ نو کاتبِ تقدیر بسم اللہ
ہمارا عزمِ راسخ کامیابی کی ضمانت ہے
ہمارے حق میں ہوگی خواب کی تعبیر بسم اللہ
ہمارا کام ہے کوشش کریں ہم بازیابی کی
ملے گی اِک نہ اِک دن گمشدہ جاگیر بسم اللہ
پہونچ جائیں گے اپنے کیفرِ کردار کو خود ہی
ستمگر ہیں یہ بیشک لایقِ تعزیر بسم اللہ
''شبِ تاریک کے دامن سے ہوتی ہے سحر پیدا''
نہ ہوگا مستقل یہ نالۂ شبگیر بسم اللہ
بھروسہ قوتِ بازو پہ رکھ عزمِ مصمم سے
نہ ہوگی پاؤں میں برقیؔ ترے زنجیر بسم اللہ

●

کبھی نہ آیا وہ حسبِ وعدہ ، مجھے ہمیشہ بُلا بُلا کے
سہوں کہاں تک میں تھک گیا ہوں، یہ ناز اُس کے اُٹھا اُٹھا کے
میں اس کی آمد کا مُنتظر تھا، نگاہ تھی فرشِ راہ میری
گُذر گیا سامنے سے میرے، وہ مجھ سے نظریں بچا بچا کے
فریب میں آ گیا میں اُس کے، نہ تھا یہ وہم وگُماں میں میرے
دکھائے گا سبز باغ پھر وہ، نئے نئے گل کھلا کھلا کے
لیا نہ پھر نام لوٹنے کا، گیا تو ایسا گیا یہاں سے
ہمیشہ رکھتا تھا اُس کی خاطر ، میں خانۂ دل سجا سجا کے
ہمیشہ کانوں میں گونجتی ہیں، ابھی بھی سرگوشیاں وہ اُس کی
بنا دیا اُس نے مُجھ کو پاگل، سرودِ اُلفت سُنا سُنا کے
پڑا ہوں میں رہگذر میں اُس کی، کبھی تو گذرے گا وہ یہاں سے
میں ڈھونڈتا ہوں اُسے ابھی تک، چراغِ دل کو جلا جلا کے
مجھے یہ اُمید تھی وہ آ کر، ہنسائے گا پھر دوبارہ مُجھ کو
پتہ نہیں تھا وہ آ کے جائے گا، مُجھ کو برقیؔ رُلا رُلا کے

●

پیار سے ہم کو وہ بُلاتے ہیں
جب بھی تیرِ نظر چلاتے ہیں
جو پرانے ہیں سب گلے شکوے
دیکھ کر ان کو بھول جاتے ہیں
عشق کی ہر ادا نرالی ہے
زخم کھا کر بھی مسکراتے ہیں
دشمنِ جاں ہیں اپنے جو ان کو
دیدہ و دل میں ہم بساتے ہیں
جن سے کرنی ہے عرضِ حال اپنی
اپنی ہی داستاں سناتے ہیں

رقص کرنا جنہیں نہیں آتا
اُنگلیوں پر ہمیں نچاتے ہیں
ہم میں اور ان میں بس ہے اتنا فرق
ہم جلاتے ہیں وہ بجھاتے ہیں
اُن کی اس دل لگی کے کیا کہنے
جب مناتے ہیں روٹھ جاتے ہیں
ہیں جو شعرو ادب کے شیدائی
بزمِ شعرو سخن سجاتے ہیں
خانۂ دل پہ آکے برقؔی کے
ہنس کے وہ بجلیاں گراتے ہیں

●

ہو آپ ہی کو مبارک یہ آپ ہی چاہیں
وہ ہم نہیں ہیں جو بے کیف زندگی چاہیں
وہ تیرہ دل ہیں زمیں پر ہیں مفسدِ دوراں
کسی کے گھر کو جلا کر جو روشنی چاہیں
نہیں پسند ہمیں ان کی بے رُخی ہرگز
وہ چاہتے ہیں ہمیں گر ہنسی خوشی چاہیں
کریں فساد نہ برپا وہ لے کے امن کا نام
عزیز سب کو ہیں جو صلح و آشتی چاہیں
سبھی ہیں دشمنِ جاں اپنے عہدِ حاضر میں
کسے وکیل کریں، کس سے مُنصفی چاہیں

غزل غزل ہے وہی جس میں ہو جگر کاوی
کریں خوشی سی سے یہ کرنی جو شاعری چاہیں
علومِ عصر سے خود کو بھی روشناس کریں
جو عہدِ نو کے مسایل سے آگہی چاہیں
جئیں ہنسی خوشی خود بھی مجھے بھی جینے دیں
جو چاہتے ہیں وہ اپنے لئے وہی چاہیں
مشامِ جاں وہ معطر کرے گی کِھلنے پر
کلی کو کِھلنے دیں وہ گر شگفتگی چاہیں
قلندری کو بنائیں وہ پہلے اپنا شعار
جو آکے محفلِ عرفاں میں بیخودی چاہیں
برنگ فیض لکھی ہے غزل یہ برقی نے
پڑھیں بغور اسے وہ جو روشنی چاہیں

•

دیکھنا ہو جو تمہیں ساتھ میں چَل کر دیکھو
جادۂ شوق میں گِر گِر کے سنبھل کر دیکھو

اپنے اِس گوشۂ عُزلت سے نکل کر دیکھو
وقت کے ساتھ تم اپنے کو بدل کر دیکھو

سامنے منزلِ مقصود نظر آئے گی
نہ دکھائی دے اگر تم کو اُچھل کر دیکھو

گردشِ وقت کی رفتار سمجھنی ہے اگر
قالب گردشِ ایام میں ڈھل کر دیکھو

جاننا ہو جو تمہیں آج کے بچوں کا مزاج
ایک بچے کی طرح خود بھی مچل کر دیکھو

تم کو ہوجائے گا خود سوزِ دروں کا احساس
آتشِ شوق میں خود بھی کبھی جَل کر دیکھو

دیکھتے کیا ہو تماشا لبِ ساحل آکر
موجِ طوفانِ حوادث میں بھی پَل کر دیکھو

وقت کے ساتھ بدل جاتی ہیں قدریں برقیؔ
''داستانوں کے اب عنوان بدل کر دیکھو''

●

چمن کی سیر کو جس وقت گلعذار چلے
جلو میں اپنے لئے شوخیٔ بہار چلے
خرامِ ناز کا اُن کے نہ پوچھئے عالم
چلے تو بن کے وہ آشوبِ روزگار چلے
رہِ طلب میں ہمارا عجیب عالم تھا
کہ بار بار گرے اُٹھ کے بار بار چلے
وہ دیکھئے کہ کہاں تک کریں لحاظ اس کا
متاعِ قلب و جگر ہم تو اُن پہ وار چلے
تمہاری چال کی رنگینیاں کہاں اس میں
فلک ہزار برس صد ہزار بار چلے
ہر ایک لمحہ تمہاری کمی کا ہے احساس
"چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے"

صدا یہ دیتے ہیں آجاؤ فیض احمد فیض
"گلوں میں رنگ بھرے بادِ نو بہار چلے"
منا رہے تھے سبھی جشن اُن کے آنے پر
چلے تو کر کے عزیزوں کو اشکبار چلے
ہے فکر ہم کو جوانسال نسل کی لاحق
ہم اپنا وقت کسی طرح سے گذار چلے
یہی تھی حسرتِ دل کاش وہ چلا آتا
فراق یار میں ہم ہو کے بیقرار چلے
رُلائے خون کے آنسو تمام عمر ہمیں
بلا سے آئے نہ وہ ہم تہِ مزار چلے
چلا نہ موت کا بس جن پہ جیتے جی ہرگز
وہ زندگی کے مسائل سے اپنے ہار چلے
ہمارا گرچہ نہ پُرسانِ حال تھا کوئی
عروسِ بزمِ ادب کو مگر سنوار چلے
فضا تمام معطر ہوئی اُدھر برقیؔ
جدھر وہ کھول کے گیسوئے مُشکبار چلے

●

اے کاش اِدھر سے وہ اُدھر جائے تو اچھا
طوفانِ بلا خیز گذر جائے تو اچھا

اوقات بتادے گا اسے اس کی زمانہ
طاقت کا نشہ سر سے اُتر جائے تو اچھا

جو وردِ زباں ریشہ دوانی سے ہے اپنی
اب بھی وہ اگر خود سے سُدھر جائے تو اچھا

اُڑنے نہیں دیتا جو مرے طائرِ دل کو
پَر اُس کے بھی گر کوئی کتر جائے تو اچھا

برقیؔ تجھے جینا ہے تو مَر مَر کے جئے جا
جو ڈر گیا حالات سے مَر جائے تو اچھا

●

دیارِ شوق میں جانے کو وہ پیہم مچلتا ہے
مرا رخشِ قدم ایسے میں گِر گِر کے سنبھلتا ہے
بڑھاتا ہوں میں اُس کے جذبۂ جہدِ مُسلسل کو
وہ ناکامی پہ اپنی جب کفِ افسوس ملتا ہے
اسے کیسے کہوں میں نخلبندِ گلشنِ ہستی
جو خود ہی باغباں گلشن میں کلیوں کو مَسلتا ہے
یہ اُس سے کہدو اِترائے نہ اپنے روئے زیبا پر
بالآخر اک نہ اِک دن آفتابِ حُسن ڈھلتا ہے
جلادیتا ہے وہ سوزِ دروں سے خانۂ دل کو
لہو جب آتشِ سیال کی صورت اُبلتا ہے
نہیں چلتا جو اُس کے ساتھ کھودے گا وجود اپنا
زمانہ عہدِ نو میں اتنی تیزی سے بدلتا ہے
سمجھتا ہے جو اپنا مُہرۂ شطرنج برقی کو
جلانے کے لئے اُس کو وہ ایسی چال چلتا ہے

●

وقت کے ساتھ جو چلنا ہے تو چلتے رہیے
یوں نہ گِرگِٹ کے طرح رنگ بدلتے رہیے

کشتیٔ عمرِ رواں آپ کی منجدھار میں ہے
موجِ طوفانِ حوادث سے نکلتے رہیے

عزم راسخ ہے تو چومے گی قدم خود منزل
جادۂ شوق میں گِر گِر کے سنبھلتے رہیے

عشوہ و ناز و ادا اُس کے ہیں بیحد دلکش
دیکھ کر اُن کو بصد شوق بہلتے رہیے

آپ کے خواب ہوں شرمندۂ تعبیر سبھی
ہے دعا میری یونہی پھولتے پھلتے رہیے

خوابِ غفلت کا نتیجہ ہے جو اب ہے در پیش
مَلتے ہیں اب کفِ افسوس تو مَلتے رہیے

اپنی حد سے ہے تجاوز میں خسارہ برقیؔ
آپ کو حق ہے مچلنے کا مچلتے رہیے

●

لے کے آئی ہے پیامِ رونمائی چاند رات
شکر ہے اللہ کا جس نے دکھائی چاند رات

عید کی لے کر بشارت آج آئی چاند رات
بھیجتا ہے تہنیت بھائی کو بھائی چاند رات

چاند کی دے کر مبارکباد ٹیلیفون سے
رسمِ اُلفت یار نے اپنی نبھائی چاند رات

سننے کو شیریں بیانی جس کا دل مُشتاق تھا
مِثلِ بلبل اس نے کی نغمہ سرائی چاند رات

رونما ہو کر بشکلِ ماہِ تاباں بام پر
بھول بیٹھا بے وفا بھی بے وفائی چاندرات

مِثل غنچہ کِھل اُٹھا گلزار میں وہ گُلعذار
اِس طرح کی اس نے آ کر رونمائی چاند رات

اہلِ ایماں کے لئے قدرت کا یہ انعام ہے
تیس روزوں کی ہے اے برقی کمائی چاند رات

●

سوزِ دروں کو اور بڑھاتی ہے چاندنی
خود چاندنی میں اپنی نہاتی ہے چاندنی
روئے حسیں کو اپنے دکھاتی ہے چاندنی
دیوانہ وار دل کو لبھاتی چاندنی
گرویدہ خود کو اپنا بناتی ہے چاندنی
''ہر پَل مِلن کی پیاس جگاتی ہے چاندنی''
آنے سے کررہی ہے لبِ بام احتراز
خوابوں میں آکے نیند اُڑاتی ہے چاندنی
داغِ فراق دے کے شبِ انتظار میں
شمعِ امید و بیم بجھاتی ہے چاندنی
رہتی تھی اِرد گِرد جو خود اپنے چاند کے
اب جانے کس کا ناز اُٹھاتی ہے چاندنی
کہتی تھی جس کو پہلے کبھی اپنا چاند وہ
برقی سے آج آنکھ چراتی ہے چاندنی

●

میرے سبب ہی آج تک پردے میں ہے چہرا ترا
میں سہہ نہیں سکتا کبھی طرزِ عمل بیجا ترا

میں اس لئے خاموش ہوں ٹوٹے نہ یہ تیرا بھرم
ہوگا کہیں کا پھر نہ جب، اُٹھ جائے گا پردا ترا

ترکِ تعلق کی مجھے ہر وقت یہ دھمکی نہ دے
گر ہو گیا تجھ سے جُدا، کوئی نہیں ہوگا ترا

اچھا بُرا جیسا بھی ہوں ہر حال میں تیرا ہوں میں
اپنا سمجھتا ہے جنھیں، کر دیں گے وہ سودا ترا

چہرے پہ ہے چہرہ نیا جس سے ہوں میں بس آشنا
"کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرا ترا"

پیتا ہے تو خونِ جگر، تو ہے جہاں میں فتنہ گر
سب کچھ ہے مجھ پر منکشف، ہے ماجرا کیا کیا ترا

اس سے نہ کر قطعِ نظر، یہ بھی ہے تیرا ہمسفر
کیا یہ تجھے معلوم ہے، برقیؔ بھی ہے شیدا ترا

●

سمجھ رہا تھا جسے اپنی جان چھوڑ گیا
وہ میرے جسم کا خالی مکان چھوڑ گیا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا اُڑوں تو کیسے اُڑوں
''تراش کر مرے بازو اُڑان چھوڑ گیا''
نہ تھی امید مجھے ایسی بیوفائی کی
میں دم بخود ہوں مجھے بے زبان چھوڑ گیا
میں منتظر ہوں ابھی تک وصال کا جس کے
شبِ فراق مری لے کے جان چھوڑ گیا
بیاں کروں تو کروں کس سے اپنا سوزِ دروں
وہ لے کے صبر کا ہر امتحان چھوڑ گیا

ہمیشہ بھرتا تھا جو دوستی کا دم مجھ سے
وہ اس جہاں میں مجھے بے امان چھوڑ گیا
ہدف بناتا تھا جس کا وہ طائرِ دل کو
وہ جاتے جاتے وہ تیر و کمان چھوڑ گیا
بتایا کچھ نہ سبب اس نے بدگمانی کا
نہ جانے ساتھ وہ کیوں بدگمان چھوڑ گیا
مجھے بنایا تھا کیوں اس نے میہماں آخر
اکیلا چھوڑ کے جو میزبان چھوڑ گیا
جو ہمسفر تھا مرا شاہراہِ ہستی میں
وہ میرے ساتھ مرا خاندان چھوڑ گیا
تھا سر پہ سایہ فگن جو ہمیشہ برقیؔ کے
اب اس کا ساتھ وہی آسمان چھوڑ گیا

●

قفسِ عنصری وہ اپنا کہاں چھوڑتی ہے
''روح بھی جسم کا مشکل سے مکاں چھوڑتی ہے''
ڈھلتے سورج کی طرح حسن بھی ڈھل جاتا ہے
نیم جاں کر کے اسے عمرِ رواں چھوڑتی ہے
زیبِ تاریخ جہاں ہوتے ہیں کچھ نام ایسے
زالِ دنیا جنھیں بے نام و نشاں چھوڑتی ہے
شبِ تنہائی میں لگتا ہے اندھیرا ایسے
آتشِ شوق مری جیسے دھواں چھوڑتی ہے
مرحلہ جوشِ جنوں کا ہے نہایت دشوار
گردشِ وقت رواں اور دواں چھوڑتی ہے

ایسے میں ہوتا ہے مانندِ عدم میرا وجود
جب کبھی ساتھ مرا روحِ رواں چھوڑتی ہے

ساتھ چلتی ہے یہ سائے کی طرح گردشِ وقت
نہ یہاں چین سے مجھ کو نہ وہاں چھوڑتی ہے

زندگی پر نہیں جیسے ہو کوئی بس میرا
سر پہ ایسا وہ مرے بارِ گراں چھوڑتی ہے

کیسے برقؔ کے گذرتے ہیں شب و روز نہ پوچھ
منزلِ شوق کہاں تاب و تواں چھوڑتی ہے

●

تھے جتنے یار چُپ سادھے ہوئے ہیں
سبھی عیار چُپ سادھے ہوئے ہیں
ہر اک جانب بپا ہے ایک محشر
مگر اخبار چُپ سادھے ہوئے ہیں
امیر شہر اب تک سو رہا ہے
جو ہیں بیدار چُپ سادھے ہوئے ہیں
نہ جانے کیوں سبھی وحشت زدہ ہیں
"در و دیوار چُپ سادھے ہوئے ہیں"
مسیحائے زماں بے دست و پا ہے
ہیں جو بیمار چُپ سادھے ہوئے ہیں
سبھی حالات کے مارے ہیں خاموش
جو ہیں بیزار چُپ سادھے ہوئے ہیں
تھے جتنے زندہ دل برقیؔ، وہ ہوکر
ذلیل و خوار چُپ سادھے ہوئے ہیں

●

کُھلا ہے آپ چلے آیئے دریچۂ دل
پڑھا نہیں ہے ابھی کیا مرا صحیفۂ دل
دھڑک رہے ہیں فقط آپ اس کی دھڑکن میں
سوائے آپ کے کوئی نہیں وظیفۂ دل
ملی ہے آپ کی آمد کی جب سے اس کو خبر
ہیں لب خموش کُھلا ہے مگر یہ دیدۂ دل
یہاں قیام کریں آ کے کچھ دنوں کے لئے
لکھیں گے بیٹھ کے فرصت سے پھر قصیدۂ دل
شرف تو دیجئے آپ اس کو باریابی کا
پھر آپ دیکھیں گے کیسا ہے یہ سلیقۂ دل
نگاہِ ناز سے وارد ہوئے ہیں آپ اس میں
ملے ہیں آپ جو مجھ سے یہ ہے نتیجۂ دل
نشاطِ روح کا ساماں ہیں آپ اس کے لئے
نثار آپ پہ برقیؔ کا ہے صحیفۂ دل

●

دیکھنے میں شعلہ ہے اور کبھی وہ شبنم ہے
جب سے اُس کو دیکھا ہے اک عجیب عالم ہے

منتشر نہ ہوجائے زندگی کا شیرازہ
تھا جو جانِ جاں میری آج مجھ سے برہم ہے

کردیا مجھے برباد جس کی بیوفائی نے
پوچھتا ہے وہ مجھ سے تجھ کو کون سا غم ہے

جو کبھی نہیں کرتا میری پرسشِ احوال
میرے اس کی دلجوئی زخمِ دل کا مرہم ہے

حالِ دل کی جو میرے کررہی ہے غمازی
مثلِ ابرِ باراں وہ میری چشمِ پُرنَم ہے

ہے وہ مُفسدِ دوراں آج ایک درپردہ
صلح کا لئے اپنے ہاتھ میں جو پرچم ہے

یاد ہے مجھے برقی اب بھی اس کی سرگوشی
اس کی نقرئی آواز سازِ دل کا سَرگَم ہے

●

فرد جرم اپنی نئی ایک بنا اور سہی
جرمِ ناکردہ گناہی کی سزا اور سہی
غمزہ و ناز و ادا اپنے دکھا اور سہی
روز دیتا ہے فریب ایک دغا اور سہی
میں تو کرلوں گا کسی طرح سے اس کو برداشت
اس سے لوگوں کی نہ کر روح فنا اور سہی
پہلے ہی آتشِ سیال بدن میں ہے لہو
ہے جلانے میں مزا گر تو جلا اور سہی
خود کمائے گا تو ہوجائے گا تجھ کو احساس
مفت ہاتھ آئی ہے دولت تو لٹا اور سہی

تو ہے ہمسایہ مرا سوچ لے یہ اچھی طرح
ہے تجھے آگ لگانی تو لگا اور سہی

تجھ سے امید بھلائی کی ہے رکھنا بے سود
اور کیا ہوگا بُرا اِس سے بُرا اور سہی

ظلم سہہ کر بھی ہے ہونٹوں پہ مرے مُہرِ سکوت
ہے تجھے شور مچانا تو مچا اور سہی

جاں بلب ہوتے ہوئے حوصلہ باقی ہے ابھی
شوق سے اپنا چلا تیرِ قضا اور سہی

تیرے ہونٹوں پہ ہنسی ہے جو وہ ہے زود گُذر
فتح کا جشن منانا ہے منا اور سہی

موجِ طوفانِ حوادث میں پلا ہے برقیؔ
تختۂ مشق بنانا ہے بنا اور سہی

●

نہاں سوزِ جگر اپنا ہے جو، اب تک عیاں کرلیں
"اجازت دے کہ اپنی داستانِ غم بیاں کرلیں"
تجھے بارِ سماعت ہے اگر تو اتنی مُہلت دے
کتابِ زندگی کی ختم اپنی داستاں کرلیں
کہیں یہ غرق ہو جائے نہ طوفانِ حوادث میں
نہ کیوں محفوظ اپنی کشتیٔ عمرِ رواں کرلیں
بچانا ہے اگر ملی تشخص اپنا ایسے میں
گِلے شکوے ہیں جو سب دور اپنے درمیاں کرلیں
ہمیشہ بجلیوں کی زد پہ یہ رہتا ہے کیوں آخر
ہم اُن کی دسترس سے دور اپنا آشیاں کرلیں
بزرگوں کی روایت پر رہیں گے ہم عمل پیرا
مصمم آؤ مِل کر اپنا یہ عزمِ جواں کرلیں
ضرورت ایسے میں حُسنِ عمل کی ہے ہمیں برقیؔ
جو ہیں ناشاد ہم سے آؤ ان کو شادماں کرلیں

●

بولا وہ مجھ سے کرتا نہیں تجھ سے پیار، چُپ
نکلا مری زباں سے یہ بے اختیار، چُپ
کرتا ہے مجھ سے پیار تو رہ بیقرار، چُپ
کرنا پڑے گا ورنہ یونہی انتظار، چُپ
ہے داستانِ عشق بہت دلفگار چُپ
کردے گا یہ زمانہ تجھے سنگسار، چُپ
سوزِ دروں کا اُس سے کیا ذکر۔ تو کہا
میں نے کہا تھا تجھ سے کہ کر مجھ سے پیار، چُپ
سر پر چڑھا نہ اپنے سیاست کا یہ بخار
جینے نہ دے گی گردشِ لیل و نہار، چُپ
گُلشن کا حالِ زار سنایا تو یہ کہا
ہوگی فضا نہ اس کی کبھی سازگار، چُپ

چھیڑا جو ذکرِ تلخئ دوراں تو بول اُٹھا
سہنا پڑے گا تجھ کو غمِ روزگار، چُپ

یہ آہِ آتشیں ہے ابھی تیری نارسا
ناسور ہو نہ جائے دلِ داغدار، چُپ

دل ہے مزارِ حسرت و ارماں پس از وفات
ہوجائیں گے سبھی یونہی گرد و غبار، چُپ

صحنِ چمن میں آئے گی فصلِ بہار کب
کہنے لگا بتاؤں گا پھر میرے یار، چُپ

برقیؔ کی عرضِ حال یہ سن کر دیا جواب
ڈس لیں گے آستیں کے تری تجھ کو مار، چُپ

●

سبھی کہہ رہے ہیں سنواریں گے گلشن
بفضلِ خدا آگیا ہے الیکشن
اِنہیں کی بدولت ہے سونا یہ آنگن
جنھیں اپنے دل کی سمجھتے تھے دھڑکن
سیاست کے ہیں یہ پرانے کھلاڑی
سبھی خود کو کہتے ہیں جو پاک دامن
بہاتے ہیں اب جو مگر مچھ کے آنسو
اُنھیں نے اُجاڑا ہے اپنا نشیمن
یہ وحشت کا ماحول ہے دین ان کی
تصور سے جس کے ہے بیچین تن من
لڑا کر ہمیں کررہے ہیں حکومت
سیاست میں ہیں جن کے آلودہ دامن

سبھی مِل کے رہتے تھے اپنے پرائے
ہمیں یاد آتا ہے اپنا وہ بچپن
نگاہوں سے اوجھل ہیں باغوں میں جھولے
ہے بارش کے موسم میں بے کیف ساون
کہاں کھو گئے دلنشیں وہ نظارے
ہے غایب نگاہوں سے اپنی وہ چلمن
نئ جن کی ہے اب بڑھاپے کی شادی
منانے ہنی مون جائیں گے لندن
اگر دیکھنا ہے اُنہیں اپنا چہرہ
کہو دیکھ لیں پھر سے جاکر وہ درپن
پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی
الیکشن کے ہے نام سے مجھ کو الجھن
کسے ووٹ دیں، اور نہ دیں کس کو برقیؔ
یہ رہبر نہیں عہدِ نو کے ہیں رہزن

●

کیف و سرورِ عشق میں بل کھا کے پی گیا
اُس کی نگاہِ مست سے للچا کے پی گیا
ساقی کے دستِ ناز میں دیکھا جو جامِ مے
قابو رہا نہ دل پہ وہاں جا کے پی گیا
تارِ وجود ہونے لگا مُرتَعِش مرا
اُٹّھی اک ایسی لہر کہ لہرا کے پی گیا
کچھ دیر انتظار کرو آرہا ہوں میں
وہ مانتا نہیں تھا میں منوا کے پی گیا
اُس نے کہا کہ دُردِ تہہِ جام ہے بچی
میں کہا کہ دے وہی اور لا کے پی گیا
مُجھ کو جنونِ شوق میں آیا نہ کچھ نظر
جو کچھ بھی آیا سامنے جھنجھلا کے پی گیا
مُجھ کو ازل سے بادۂ عرفاں عزیز تھی
دیوانہ وار اِس لئے میں جا کے پی گیا
ٹوٹے کہیں نہ رندِ بلا نوش کا بھرم
برقیؔ وفورِ شوق میں شرما کے پی گیا

●

حد سے طاقت کے نشے میں جو گذر جاتا ہے
وہ نگاہوں سے زمانے کی اُتر جاتا ہے
جب کوئی گردشِ حالات سے ڈر جاتا ہے
ٹوٹ کر شیشۂ دل اُس کا بکھر جاتا ہے
یونہی پھرتا ہے اِدھر اور اُدھر جاتا ہے
صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر جاتا ہے
حسرت دل کبھی پوری نہیں ہوتی جس کی
وقت سے پہلے ہی بے موت وہ مَر جاتا ہے
جب گذر جائے کوئی جوشِ جنوں کی حد سے
جادۂ شوق میں بے خوف و خطر جاتا ہے
ایسے میں پوچھئے مت عاشقِ دلگیر کا حال
جب کوئی وعدۂ فردا سے مُکر جاتا ہے
جسم میں آتشِ سیال کی صورت ہے لہو
''گو ترے ساتھ مرا وقت گزر جاتا ہے''
ایسے صیاد سے برقیؔ کا پڑا ہے پالا
طائرِ دل کے پر و بال کتر جاتا ہے

●

کس امتحاں سے جہاں میں بشر گذارا گیا
تھا عرش پر جو زمیں پر اسے اُتارا گیا

سفینہ موجِ حوادث کی زد میں تھا میرا
تھی سامنے مرے منزل جہاں کنارا گیا

وہ لے کے دل مرا کرتا ہے برملا اظہار
نہ کچھ تمھارا گیا اور نہ کچھ ہمارا گیا

نہ کام آئی مرے میری سخت جانی بھی
دیارِ شوق میں بے موت مجھ کو مارا گیا

بکھر گیا ہے مری زندگی کا شیرازہ
نہ اُن سے گلشنِ ہستی مرا سنوارا گیا

متاعِ شوق سے بھی اپنی ہاتھ دھو بیٹھا
تھا آخری جو مری زیست کا سہارا گیا

ستم ظریفیٔ حالات کا شکار تھا میں
عجیب نام سے برقیؔ مجھے پُکارا گیا

●

گذرے نہ وہ کسی پہ جو مجھ پر گذر گیا
شیرازۂ حیات اچانک بکھر گیا
سوہانِ روح میرے لئے تھا یہ سانحہ
دے کر پیامِ دربدری نامہ بر گیا
میراخیالِ خام تھا وہ یا کچھ اور تھا
ہمزاد ساتھ ساتھ رہا میں جدھر گیا
دل تھا مزارِ حسرت و ارماں مرے لئے
میرا نہالِ آرزو بے موت مرگیا
فضلِ خدا سے وار سبھی بے اثر رہے
تیرِ قضا قریب سے ہو کر گزرگیا
مفلوج ہو کے رہ گیا تخلیق کا عمل
سر سے خمارِ شاعری میرے اُتر گیا
برقیؔ کی آپ بیتی ہے پیشِ نظر غزل
سیلابِ ابتلا تھا جو سر سے گزرگیا

●

لازم ہے رکھ سنبھل کے ہر اک گام عشق میں
کیوں مفت میں تو ہوگیا بدنام عشق میں

سب کی زباں پہ جاری و ساری ہے اس کا نام
جس کا جنونِ شوق تھا ناکام عشق میں

جو اہلِ دل ہیں دل کی سمجھتے ہیں وہ زباں
ہوتی نہیں ہے جلوہ گہہِ عام عشق میں

رہتے نہیں ہیں ایک جگہہ رہروانِ شوق
ہوتی کہیں ہے صبح کہیں شام عشق میں

کل تک خیالِ یار سے آباد تھا وہ گھر
ویراں ہیں جس کے آج در و بام عشق میں

ساقی کی چشمِ ناز سے سرمست تھے کبھی
جو پی رہے ہیں دُردِ تہہِ جام عشق میں

سرمایۂ حیات ہے برقیؔ مرے لئے
رنج و الم کا جو ملا انعام عشق میں

●

جو بیک وقت اِدھر اور اُدھر جاتے ہیں
وہ نگاہوں سے بہت جلد اُتَر جاتے ہیں
وعدۂ شب پہ یقیں کرکے سنور جاتے ہیں
''دن نکلتے ہی مرے خواب بکھر جاتے ہیں''
روح فرسا ہے جدائی کا تصور اُن کی
یونہی گُھٹ گھٹ کے شب و روز گذر جاتے ہیں
پوری ہوتی نہیں جب حسرتِ دیدار تو پھر
جیتے جی سوزِ غمِ ہجر سے مرجاتے ہیں
میزبانی کا نہیں جن کو کوئی پاس و لحاظ
کرکے وہ خانۂ دل زیر و زَبَر جاتے ہیں
گردشِ وقت سے ہم لیتے نہیں کوئی سبق
اُنھیں جو کرنا ہے ہر حال میں کرجاتے ہیں
درمیاں آمد و شد کے ہیں خوشی کے لمحات
روتے آتے ہیں جو بادیدۂ تَر جاتے ہیں
ہیں جو سرگرمِ سفر جوشِ جنوں میں برقؔ
جادۂ شوق میں بے خوف و خطر جاتے ہیں

●

ہے جو کہنا مجھے اے یار کہوں یا نہ کہوں
" اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نہ کہوں "
اپنا میں تجھ کو مددگار کہوں یا نہ کہوں
کس قدر ہوگیا لاچار کہوں یا نہ کہوں
کب ملے گی تجھے تخریب سے آخر فرصت
قصرِ دل کا تجھے معمار کہوں یا نہ کہوں
جو کبھی سرخیٔ اخبار نہیں بن پاتا
منظرِ کوچہ و بازار کہوں یا نہ کہوں
میں نے سینچا ہے جسے خونِ جگر سے اپنے
میں اسے گلشنِ بے خار کہوں یا نہ کہوں

ٹوٹ جائے نہ بھرم چارہ گری کا تیری
کس لئے رہتا ہوں بیمار کہوں یا نہ کہوں

تیرے دستورِ زباں بندی سے ڈرلگتا ہے
کس طرح چلتی ہے سرکار کہوں یا نہ کہوں

تیز تلوار سے ہے ایک صحافی کا قلم
آج کی سُرخیٔ اخبار کہوں یا نہ کہوں

آج جس حال میں برقؔ ہے ترے ہوتے ہوئے
خود کو میں مُفلس و نادار کہوں یا نہ کہوں

●

اُس کو ناکردہ گناہی کی سزا کہتے ہیں
دردِ دل کی وہ مرے جس کو دوا کہتے ہیں

فصلِ گل میں بھی نمایاں ہیں خزاں کے آثار
" کیسے نادان ہیں صرصر کو صبا کہتے ہیں"

مُنتشر کردیا شیرازۂ دل اُس نے مرا
غمزہ و ناز جسے تیرِ قضا کہتے ہیں

زیورِ حُسن ہے دُزدیدہ نگاہی اُن کی
جس کو اربابِ نظر شرم و حیا کہتے ہیں

جو مچا دیتی ہے جذبات میں طوفانِ عظیم
بحرِ ہستی کی اسے موجِ بلا کہتے ہیں

کرسکے ایک بھی پورا جو نہ پیمانِ وفا
جذبۂ خیرسگالی کو جفا کہتے ہیں

ہے مرا حالِ زبوں سامنے اُن کے برقی
دیکھتا ہوں وہ مجھے دیکھ کے کیا کہتے ہیں

●

ہر ایک پہ کرتے رہتے تھے بے لوث جو احساں کیسے ہیں
راس آتی نہیں ہے اب جن کو یہ گردشِ دوراں کیسے ہیں
قدریں تھیں بزرگوں کی اپنے جو یاد ہیں یا سب بھول گئے
ہوتے تھے پہلے آپس میں جو عہد و پیماں کیسے ہیں
ہر سمت بھڑکتے رہتے ہیں اب بُغض و عداوت کے شعلے
پہلے جو مِل کے مناتے تھے، وہ جشنِ بہاراں کیسے ہیں
تہذیب جدید کے متوالے اب کیسے محبت کرتے ہیں
تجدیدِ عظمتِ رفتہ کے اس دور میں امکاں کیسے ہیں
آباد ہے اپنا خانۂ دل ویسے ہی یا پھر اُجڑ گیا
تھے اپنے قصرِ محبت کی جو شمعِ شبستاں کیسے ہیں
مشترکہ قدروں کا قایم شیرازہ ہے یا بکھر گیا
افسانۂ ہستی کا اپنے ہوتے تھے جو عنواں کیسے ہیں
قایم ہے وہی بھائی چارہ اُن میں یا سب کچھ بدل گیا ہے اب
رہتے تھے جو مِل کر آپس میں ہندو و مسلماں کیسے ہیں
اب غنچہ و گُل اور گلچیں کے کیسے ہیں مراسم آپس میں
تھے اپنے گلشن میں برقؔ جو جانِ گلستاں کیسے ہیں

●

دیدہ و دل میں ہمارے جو بسا کرتے تھے
ہم سے خوابوں میں جو آ کے مِلا کرتے تھے

دیکھ کر ہم کو بدل لیتے ہیں اپنا رستہ
ہم کو ہر حال میں اپنا جو کہا کرتے تھے

وقت کے ساتھ بدل جاتے ہیں سارے رشتے
اب سناتے ہیں ہماری جو سنا کرتے تھے

سامنے دیکھ رہے ہیں اسے اپنے ہر سو
ہم جسے پہلے کتابوں میں پڑھا کرتے تھے

ان کی عظمت کے لبوں پر ہیں ترانے اب بھی
دوسروں کے لئے جو لوگ جیا کرتے تھے

کوئی بھی اس سے سکوں بخش نہیں ہے اب بھی
لوریاں ماں کی جو بچپن میں سنا کرتے تھے

خونِ دل جن کے لئے اپنا جلایا برسوں
کہہ رہے ہیں وہ ہمارے لئے کیا کرتے تھے

اپنی جو عظمتِ رفتہ کے نشاں ہیں برقیؔ
''ان مکانوں میں عجب لوگ رہا کرتے تھے''

●

مرے افسانۂ ہستی کا عنواں کون دیکھے گا
شبِ دیجور میں خوابِ پریشاں کون دیکھے گا

گلوں کی چاک دامانی کا منظر ہے عیاں سب پر
چمن میں اِن دنوں خارِ مغیلاں کون دیکھے گا

جہانِ رنگ و بو کی زیب و زینت ہم سے قایم ہے
''ہمارے بعد یہ رنگِ گلستاں کون دیکھے گا''

مہ و خورشید سے روشن ہے جس کا چہرۂ زیبا
وہ ہو پیشِ نظر تو ماہِ تاباں کون دیکھے گا

دیا ہے باغباں نے جب سے دستورِ زباں بندی
گل و بلبل کو گلشن میں غزلخواں کون دیکھے گا

وہ دے کر دعوتِ نظارہ پھر واپس نہیں آئے
دریدہ پیرہن جیب و گریباں کون دیکھے گا

یونہی کرتے رہے گر مسخ وہ تاریخِ آزادی
ہماری سُرخیٔ خونِ شہیداں کون دیکھے گا

جو نیوزی لینڈ میں برقیؔ ہوا النور مسجد میں
دیارِ غیر میں شامِ غریباں کون دیکھے گا

●

دھڑکتے قلب میں سانسوں میں کون رکھتا ہے
تمھیں خیالوں میں خوابوں میں کون رکھتا ہے
تمھارے غمزہ و ناز و ادا کا کرکے بیاں
تمھیں ہمیشہ حوالوں میں کون رکھتا ہے
تمھارے چہرۂ گلگوں کی دے کے اُن سے مثال
تمہیں مہکتے گلابوں میں کون رکھتا ہے
بنا کے تم کو کتابِ حیات کا عنواں
ادب میں اور فسانوں میں کون رکھتا ہے
حدیث دلبری تم کو بنا کے غزلوں میں
تمہارا نام اُجالوں میں کون رکھتا ہے

تمھارا عکس تصور بوقت مینوشی
شرابِ ناب کے پیالوں میں کون رکھتا ہے
خطاب ماہ جبیں اور ماہ رو دے کر
چمکتے چاند ستاروں میں کون رکھتا ہے
تمھاری یاد میں اک شاہکار تاج محل
بناکے زہرہ جمالوں میں کون رکھتا ہے
سوال کرتا ہے برقی جواب دو اس کا
تمھارا حسن نظاروں میں کون رکھتا ہے

●

مت تذبذب میں مبتلا کیجے
جو بھی کرنا ہے بَرملا کیجے
خود درِ دوستی کو وا کیجے
رونے والوں پہ مت ہنسا کیجے
رنجشیں جو بھی ہیں بُھلا دیجے
"اب حق دوستی ادا کیجے"
ہیں مسیحائے وقت آپ اگر
دردِ دل کی مرے دوا کیجے
رکھیے میزانِ عدل پیشِ نظر
جب کوئی فیصلہ کیا کیجے

آپ سود و زیاں سے قطعِ نظر
اپنا جو فرض ہے ادا کیجے

ٹوٹ جائے نہ اس سے شیشۂ دل
جو کہیں سوچ کر کہا کیجے

بعد میں خود ہی جس سے پچھتائیں
اتنا مت ظلم ناروا کیجے

آنا چاہیں اگر تو آجائیں
وعدۂ حشر مت کیا کیجے

گر کسی سے کبھی کریں وعدہ
اُس پہ ثابت قدم رہا کیجے

آپ کا میں نے کیا بگاڑا ہے
اتنا مت ظلمِ ناروا کیجے

کیجئے اس کے ساتھ حسنِ سلوک
آپ برقیؔ سے جب مِلا کیجے

●

سوزِ دروں کا اپنے میں اظہار کیا کروں
"جاتا نہیں ہے آس کا آزار کیا کروں"
ہر سمت سے ہے یورش و یلغار کیا کروں
درپیش بحرِ دل میں ہے منجدھار کیا کروں
ہموار کیسے میں کروں امن و سکوں کی راہ
حائل ہے نفرتوں کی جو دیوار کیا کروں
خدشہ ہے شرپسند نہ ہو کوئی راہ میں
ایسے میں ذکرِ کوچہ و بازار کیا کروں
ملت کے نونہال ہیں غفلت کی نیند میں
ہوتے نہیں ہیں خواب سے بیدار کیا کروں
سائے پہ بھی نہ اپنے رہا کوئی اعتبار
سب یار اپنے بن گئے اغیار کیا کروں

جس کو بھی دیکھئے وہ دکھاتا ہے سبز باغ
سب ووٹ کے ہیں میرے طلبگار کیا کروں
بازار ہے ضمیر فروشی کا آج گرم
بِکنے کو اُس میں ہیں سبھی تیار کیا کروں
سود و زیاں سے میں ہوں ہمیشہ سے بے نیاز
ایسے میں زندگی سے ہوں بیزار کیا کروں
تیار فردِ جرم ہے پہلے سے اس لئے
کہتے ہیں جو وہ کرتا ہوں اقرار کیا کروں
پیمانہ عدل کا بھی ہے اپنے لئے جدا
بچنے کی اپنے کوششیں بیکار کیا کروں
مانیں گے کیا وہ حرفِ صداقت کبھی مرا
کیسے کہوں نہیں ہوں خطاکار کیا کروں
اب ناخدائے کشتیٔ دل بھی نہیں ہے ساتھ
بحرِ حیات کیسے کروں پار کیا کروں
برقی کو جس سے چارہ گری کی امید تھی
وہ چارہ گر بھی ہو گیا بیمار کیا کروں

●

میں نے اب تک ہے دیا مجھ کو ملا کچھ بھی نہیں
اپنے گُن گاتا ہے وہ جس نے دیا کچھ بھی نہیں

میرے اجداد کی میراث بھی محفوظ نہیں
کیا کسے دوں کہ مرے پاس بچا کچھ بھی نہیں

لوگ کرتے تھے جہاں عرضِ تمنا آ کر
اب وہاں فقر و فلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں

خودستائی میں نہیں اس کا کہیں کوئی جواب
آج تک جس نے نیا کام کیا کچھ بھی نہیں

خود کو کہتا ہے مسیحائے زماں وہ، لیکن
دردِ دل کی مرے کہتا ہے دوا کچھ بھی نہیں

ہے مری شامتِ اعمال مرا حالِ زبوں
مجھ کو اب شومئ قسمت کا گِلہ کچھ بھی نہیں

دورِ حاضر کا ہے انصاف نرالا برقیؔ
ملتی ہے اُس کو سزا جس کی خطا کچھ بھی نہیں

●

تو گیا جب سے فروغِ رخِ زیبا لے کر
جی رہا ہوں میں اکیلا ہی اندھیرا لے کر

تیرہ و تار ہے کاشانۂ دل تیرے بغیر
روشنی کیا کروں مانگے کا اُجالا لے کر

موجزن آنکھوں میں اشکوں کا ہو جیسے سیلاب
پھر رہا ہوں یونہی دن رات یہ دریا لے کر

وقف ہے تیرے لئے میرا یہ سامانِ وجود
کیا کروں تیرے سوا حسرتِ بیجا لے کر

تو جو مِل جائے سنور جائے گی قسمت میری
بن ترے کیا کروں یہ دولتِ دنیا لے کر

مال و زر، جاہ و حشم سب یہیں رہ جائے گا
ساتھ یہ جسم ہی سب جائیں گے تنہا لے کر

تونے اسبابِ تعیش جو سجا رکھے ہیں
ساتھ یہ اپنے بتا جائے گا کیا کیا لے کر

عزتِ نفس ہے برقیؔ کو سدا اپنی عزیز
جی نہیں سکتا یہ غیروں کا سہارا لے کر

●

شمع رخ کی ترے تنویر لئے پھرتے ہیں
اپنے ہم خواب کی تعبیر لئے پھرتے ہیں
لوحِ دل پر ہے ترا نقش جدھر بھی جائیں
''ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں''
رشتۂ مہر و محبت کو کریں کے محکم
حسنِ اخلاق کی زنجیر لئے پھرتے ہیں
ہم سمجھتے ہیں مقدر کا سکندر خود کو
ساتھ تقدیر کے تدبیر لئے پھرتے ہیں
حُسنِ تدبیر سے تسخیر کریں گے اُن کو
بغض و نفرت کی جو شمشیر لئے پھرتے ہیں
لکھی ہے کاتب تقدیر نے جو اپنے لئے
اپنے ہاتھوں میں وہ تحریر لئے پھرتے ہیں
ملک و ملت کے مفادات ہوں جس میں اپنے
دل میں ہم جذبۂ تعمیر لئے پھرتے ہیں
بھائی چارے کی ہیں دولت کے امیں ہم برقیؔ
مہر اور لطف کی جاگیر لئے پھرتے ہیں

●

ناروا ظلم و ستم یار نہ کر
"اب زیادہ مجھے بیزار نہ کر"
خود بھی جی اور مجھے جینے دے
نہیں کرنا ہے اگر پیار نہ کر
کرکے یوں خونِ تمنا میرا
مجھ سے افسوس کا اظہار نہ کر
چھوڑ دے حال پہ اپنے مجھ کو
اور جینا مرا دشوار نہ کر
نیند سے ہیں مری آنکھیں بوجھل
سو رہا ہوں مجھے بیدار نہ کر
پک گئے کان مرے سُن سُن کر
تو بہانہ وہی ہر بار نہ کر
کرکے کردار کشی برقیؔ کی
اس کو یوں سرخیٔ اخبار نہ کر

●

تجھ کو کرسکتی ہے ناوقت فنا موج شراب
دردِ دل کی نہیں بن سکتی دوا موج شراب
کشتی عمر کو یہ غرق تو کرسکتی ہے
بن نہیں سکتی کبھی عقدہ کشا موج شراب
وقت ہے اب بھی سنبھل جا دلِ ناداں ورنہ
روح کو جسم سے کردے گی جدا موجِ شراب
ہوگی یہ تیرے لئے راحتِ جاں ، میرے لئے
کسی صورت نہیں ہوسکتی روا موجِ شراب
موجزن بحرِ حوادث میں سفینہ ہے ترا
پار کرسکتی ہے کیا تجھ کو بتا موج شراب
تجھ میں ہمت ہےتو دے میرے سوالوں کا جواب
ہر مرض کی ہے دوا کس نے کہا موجِ شراب
اس سے بے سود ہے امیدِ وفا اے برقی
حق نہیں کرتی کسی کا بھی ادا موجِ شراب

●

کرتا ہوں کوئی کام تو کرنے نہیں دیتا
شیرازۂ ہستی بھی بکھرنے نہیں دیتا

ہے نزع میں بھی حسرتِ دیدار کسی کی
''یہ دل کہ مجھے چین سے مرنے نہیں دیتا''

ہر راہ ہے مسدود کدھر جاؤں میں آخر
مجھ کو وہ کہیں سے بھی گذرنے نہیں دیتا

ہے درپئے آزار ہمیشہ وہ ستمگر
گر ڈوب بھی جاؤں تو اُبھرنے نہیں دیتا

کیا مجھ کو نہیں بننے سنورنے کا کوئی حق
تقدیر مری کیوں وہ سنورنے نہیں دیتا

منجدھار میں کیوں مجھ کو ڈبونے پہ تُلا ہے
کشتی سے تلاطم میں اُترنے نہیں دیتا

برقیؔ کی ہے اب نیم دروں نیم بروں جان
مرنا بھی اگر چاہوں تو مرنے نہیں دیتا

●

بُلایا ہے جہاں اس نے مجھے وہ در نہیں ملتا
"تھکن اُس وقت ہوتی ہے وہ جب گھر پر نہیں ملتا"
گلوبل وارمنگ سے ہے قیامت خیز اب منظر
نظامِ بحر و بر کا ہے کہاں محور نہیں ملتا
جو ہیں غواص لڑتے ہیں تلاطم خیز موجوں سے
کبھی بھی گوہرِ مقصود ساحل پَر نہیں ملتا
وہ دور اندیش ہے ہر کام کرتا ہے سلیقے سے
کیا ہے خونِ ناحق جس سے وہ خنجر نہیں ملتا
جدھر بھی دیکھئے موجود ہیں رہبر نُما رہزن
کہیں ڈھونڈے سے بھی اس دور میں رہبر نہیں ملتا

سزا دی مجھ کو جُرمِ بیگناہی کی، عدالت میں
ہے جس میں میری فردِ جُرم وہ محضر نہیں ملتا

وہ دے کر دعوتِ نظارہ ہو جاتا ہے پوشیدہ
کبھی اندر نہیں ملتا کبھی باہر نہیں ملتا

کوئی کہتا ہے سورج ہے کوئی کہتا ہے چاند اس کو
کسی سے گویا اس کا چہرۂ انور نہیں ملتا

ہے کس کے ہاتھ میں میخانۂ دوراں کہ اے برقیؔ
کسی کی دسترس میں شیشہ و ساغر نہیں ملتا

●

میں جسے غیر سمجھتا وہ اپنا نکلا
تیر انداز تو اپنا ہی شناسا نکلا

اچھے دن کی تھی تمنا جو ہوئی نقش بر آب
میرا ہمسایہ مرے خون کا پیاسا نکلا

کشتیٔ عمرِ رواں آکے وہیں ڈوب گئی
تھا کنارا جو سمندر سے بھی گہرا نکلا

قدر و قیمت سے نہ تھا اشکِ رواں کی واقف
قطرۂ چشمِ گہربار تو دریا نکلا

اپنی خوش فہمی پہ اب آتا ہے مجھ کو رونا
اس کو جیسا میں سمجھتا تھا نہ ویسا نکلا

جا کے پردیس میں وہ بھول گیا میرا وجود
دشمنِ جاں مرا اس دور میں پیسا نکلا

تھی یہ امید کہ بجھ جائے گی اب تشنہ لبی
لبِ ساحل بھی کھڑا رہ کے میں پیاسا نکلا

میں سمجھتا تھا جسے خواب کی اپنے تعبیر
میرا منظورِ نظر حوصلہ فرسا نکلا

پیر و مُرشد میں سمجھتا رہا جس کو تا عمر
اس کا وہ ذوقِ نظر عقل کا اندھا نکلا

سجدۂ شکر بجا لاؤں نہ کیوں رب کے حضور
میرے فرزند کا قد مجھ سے بھی اونچا نکلا

منتظر تھا نگہہِ لطف کا جس کی برقیؔ
بھیڑ میں رہ کے سرِ بزم بھی تنہا نکلا

●

گردشِ وقت کی زد پر ہے یہ میخانۂ دل
ٹوٹ جائے نہ کہیں ایسے میں پیمانۂ دل
جس سے تھا مطلعِ انوار مرا خانۂ دل
یاد ہے آج بھی وہ جلوۂ جانانۂ دل
ابھی آئے ہو ابھی جانے کی جلدی کیا ہے
چھوڑ کر جاتے ہو کیوں یہ مرا کاشانۂ دل
ایسے ٹھکراتے نہیں پیار کا تحفہ، لے لو
پیش کرتا ہوں تمھیں اپنا یہ نذرانۂ دل
تھا جو آباد کبھی کردیا تم نے برباد
میری قسمت میں ہے شاید یہی ویرانۂ دل

جب ضرورت تھی نہ کی پُرسشِ احوال مری
کیا کروگے مرا تم سن کے یہ افسانۂ دل

کردیا زیر و زَبَر جوشِ جنوں نے جس کو
وجہِ جمعیت خاطر تھا وہ یارانۂ دل

اُس کا احسان ہے جس حال میں رکھے مجھ کو
کیوں بجا لاؤں نہ میں سجدۂ شکرانۂ دل

جس میں جلتی تھی کبھی شمع شبستانِ حیات
تیرہ و تار ہے برقیؔ وہ مرا خانۂ دل

●

مِلنا تھا جس سے آئینہ خانے میں رہ گیا
بزمِ خیال اپنی سجانے میں رہ گیا

آنے میں رہ گیا کبھی جانے میں رہ گیا
ہر روز اک نہ اک وہ بہانے میں رہ گیا

خونِ جگر وہ میرا جلانے میں رہ گیا
میں ساری عمر آگ بجھانے میں رہ گیا

اپنا سمجھ رہا تھا جنھیں وہ رقیب تھے
''میں دوستوں سے ہاتھ مِلانے میں رہ گیا''

سوزِ غمِ فراق سے دوبھر تھی زندگی
وہ مجھ سے صرف پیار جتانے میں رہ گیا

فرصت نہ تھی اسے کہ سنے میرا حالِ زار
اپنی ہی داستاں وہ سنانے میں رہ گیا
کرتا رہا جو خونِ تمنا تمام عمر
کردار اس کا میرے فسانے میں رہ گیا
حرفِ غلط ہے جس کی نظر میں مرا وجود
نام و نشاں وہ میرا مٹانے میں رہ گیا
اُس نے کبھی سنی نہیں برقیؔ کے من کی بات
وہ جس کا بارِ ناز اُٹھانے میں رہ گیا

●

جس جگہ شیخ و خان رہتے ہیں
اُن سے وہ بدگمان رہتے ہیں
ان دنوں اپنا حال ہے ایسا
جس طرح بے زبان رہتے ہیں
زد پہ برقِ تپاں کی ہیں، اپنے
سر پہ جو سائبان رہتے ہیں
وہ شکاری ہیں اس لئے اُن کے
ساتھ تیر و کمان رہتے ہیں
کیا کریں آج وہ جنھیں درپیش
مستقل امتحان رہتے ہیں
اُن کے تیر زباں کے زخموں کے
''دل پہ باقی نشان رہتے ہیں''
تھے جو معمار ملک و قوم، اُن کی
زد پہ وہ خاندان رہتے ہیں
اپنے ہی گھر میں ایسے ہیں برقی
جس طرح میہمان رہتے ہیں

●

میں نے جس شخص سے بے لوث محبت کی ہے
مجھ سے جو اس نے کہا اس کی اطاعت کی ہے
عمر بھر جس کی سہی وعدہ خلافی میں نے
اس نے ہی میری رقیبوں سے شکایت کی ہے
اس کو مل جائے گا دنیا میں ہی اس کا بدلہ
جس کسی نے کسی ظالم کی حمایت کی ہے
خود بھی نظروں سے زمانے کی وہ گر سکتا ہے
جس نے ناحق کسی مظلوم سے نفرت کی ہے
حق کی آواز کو تا عمر کروں گا میں بلند
میں نے ہر حال میں تائیدِ صداقت کی ہے

اب دکھاتا مجھے آنکھ مرا پروردہ
میں نے جس کے لئے دن رات مشقت کی ہے
ہے ترے اوج ترقی کا وہی سرچشمہ
تیرے اسلاف نے جو تجھ کو ہدایت کی ہے
وہ صحافی نہیں لعنت ہے صحافت کے لئے
کر کے بدنام مجھے جس نے شرارت کی ہے
امنِ عالم کا وہ کہتا ہے مبلغ خود کو
خونِ انساں کی سدا جس نے تجارت کی ہے
دین و دنیا میں کہیں کا نہ رہے گا برقی
جس نے بھی اپنی روایت سے بغاوت کی ہے

●

قصۂ سوزِ دروں اپنا سنانے سے رہا
بن بُلائے میں تری بزم میں جانے سے رہا

سبز باغ اور دکھائے گا مجھے تو کب تک
ہاں میں ہاں اور تری اب میں، مِلانے سے رہا

شوق سے تیرِ نظر اپنا چلا تو مجھ پر
زخمِ دل اپنا تجھے اور دکھانے سے رہا

روشنی بخش ہے جو خانۂ دل میں اب تک
تیری یادوں کا حسیں نقش مٹانے سے رہا

میں جلاؤں گا اسے مجھ سے جلے گی جب تک
شمعِ دل تیرے لئے اپنی بُجھانے سے رہا

ہو مبارک تجھے یہ ترکِ تعلق مجھ سے
میں سرِ راہ تجھے چھوڑ کے جانے سے رہا
پرورش کرنی تھی سو خونِ جگر سے کرلی
اپنے پروردہ کا یہ ناز اٹھانے سے رہا
خودکُشی جرم ہے مَر مَر کے جیئے جاؤں گا
خاک میں جان کے میں خود کو مِلانے سے رہا
تنگ ہو عرصۂ ہستی مرا جس میں برقیؔ
ایسے ماحول میں، میں جشن منانے سے رہا

●

جو صرف اپنی خیر منائے تو کیا کروں
بر وقت میرے کام نہ آئے تو کیا کروں
سوزِ دروں یہ خون جلائے تو کیا کروں
دل کی لگی نہ میرے بجھائے تو کیا کروں
ہر وقت مجھ پہ حکم چلائے تو کیا کروں
وہ انگلیوں پہ اپنی نچائے تو کیا کروں
دے کر نفی میں میری ہر اک بات کا جواب
اپنے ہی من کی بات سنائے تو کیا کروں
ٹھہرا کے مجھ کو موردِ الزامِ ہر گناہ
مجھ کو رقیب اپنا بتائے تو کیا کروں
وعدہ شکن کہوں نہ تو پھر اس کو کیا کہوں
جو ایک بھی نہ قول نبھائے تو کیا کروں
قول و عمل میں جس کے ہمیشہ تضاد ہو
ہر وقت سبز باغ دکھائے تو کیا کروں
اپنی متاعِ شوق لُٹانے کے بعد بھی
برقیؔ کو خوں کے اشک رُلائے تو کیا کروں

●

جس سے نسبت مری تا عمر زمانے سے رہی
میں مناتا تھا جسے مجھ کو منانے سے رہی
دلربا میری مرے خواب میں آنے سے رہی
غمزہ و ناز و ادا اپنے دکھانے سے رہی
درمیاں دونوں کے حایل ہے انا ایسے میں
میں بھی جانے سے رہا وہ بھی بُلانے سے رہی
وعدۂ حشر سے کچھ کم نہیں اُس کا وعدہ
اپنے وہ قول وقسم تھے جو نبھانے سے رہی
جس نے طوفانِ حوادث میں مجھے چھوڑ دیا
کشتیٔ عُمرِ رواں میری بچانے سے رہی

جس نے بے وجہہ کیا ترکِ تعلق مجھ سے
نغمۂ مِہر و وفا پھر سے وہ گانے سے رہی
جس کی دُزدیدہ نگاہی سے ہوں خود سے بیخود
دیدہ و دل میں مرے آکے سمانے سے رہی
یاد میں جس کی ہو تعمیر نیا تاج محل
کوئی ممتاز محل دوسری آنے سے رہی
اِک جھلک اپنی دکھا کر جو دوبارہ نہ ملی
وہ مئے ہوش ربا اور پِلانے سے رہی
راس آیا نہ ہمیں مصلحت اندیش جہاں
''دوستی اپنی بھی کچھ روز زمانے سے رہی''
ناز برداری کیا کرتا تھا جس کی برقیؔ
وہ بُرے وقت میں ناز اُس کا اُٹھانے سے رہی

●

نظر آتا ہے جن کو کھوٹ اسلام و مسلماں میں
نہیں کیوں دیکھتے وہ جھانک کر اپنے گریباں میں
پڑھیں اس کو سمجھ کر آپ تو خود جان جائیں گے
نظامِ عدل کی ہے جابجا تلقین قرآں میں
جو دہشتگرد ہیں اُن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا
عناصر ایسے ہیں موجود ہرجا نوعِ انساں میں
ہیں کچھ انساں نما ایسے درندے ابنِ آدم میں
نہیں ہو فرق جیسے کوئی انساں اور حیواں میں
جسے دیکھو وہ ہے اک دوسرے کے خون کا پیاسا
خزاں کے جیسے ہوں آثار اس فصلِ بہاراں میں

نظر آتا ہے طوفانِ حوادث ہر طرف مجھ کو
نہ اُڑ جائے کہیں میرا نشیمن باد و باراں میں
مجھے وہ دیکھ کر اکثر نگاہیں پھیر لیتے ہیں
جو بن کر خون بہتے تھے کبھی میری رگِ جاں میں
نگاہِ مستِ ساقی سے میں یوں سرمست رہتا ہوں
''نہ میرا دل ترستا ہے نہ فرق آتا ہے ایماں میں''
نہ جانے باغباں کے کیوں ہیں منظورِ نظر برقی
لگانے پر تُلے ہیں آگ جو اپنے گلستاں میں

●

کام ہے یہ اسی ستمگر کا
جس کے سینے میں دل ہے پتھر کا
لے رہا ہے مجھے بنا کے ہدف
"اپنے لہجے سے کام خنجر کا"
ہر گھڑی ہے مجھے یہی خدشہ
نہ مٹا دے نشاں مرے گھر کا
تنگ ہے عرصۂ حیات مرا
میں نہ اندر کا ہوں نہ باہر کا
خونچکاں جس میں ہے ہر اک چہرہ
کیا کروں اب میں ایسے منظر کا
میری دیرینہ آرزو ہے، کاش
ساتھ مِل جائے اک قلندر کا
میں ہوں اک اس کا مُہرۂ شطرنج
کھیل برقیؔ ہے یہ مقدر کا

●

جو بیک وقت اِدھر اور اُدھر جاتے ہیں
وہ نگاہوں سے بہت جلد اُتَر جاتے ہیں
وعدۂ شب پہ یقیں کرکے سنور جاتے ہیں
''دن نکلتے ہی مرے خواب بکھر جاتے ہیں''
روح فرسا ہے جدائی کا تصور اُن کی
یونہی گُھٹ گُھٹ کے شب و روز گذر جاتے ہیں
پوری ہوتی نہیں جب حسرتِ دیدار تو پھر
جیتے جی سوزِ غمِ ہجر سے مرجاتے ہیں
میزبانی کا نہیں جن کو کوئی پاس و لحاظ
کرکے وہ خانۂ دل زیر و زَبَر جاتے ہیں
گردشِ وقت سے ہم لیتے نہیں کوئی سبق
اُنھیں جو کرنا ہے ہر حال میں کرجاتے ہیں
درمیاں آمد و شد کے ہیں خوشی کے لمحات
روتے آتے ہیں جو بادیدۂ تَر جاتے ہیں
ہیں جو سرگرمِ سفر جوشِ جنوں میں برقیؔ
جادۂ شوق میں بے خوف و خطر جاتے ہیں

●

جان جس پر نثار کرتا ہوں
ہجر میں اس کے آہ بھرتا ہوں
زندگی اک عذاب ہو جیسے
میں نہ جیتا ہوں اور نہ مرتا ہوں
کشتیٔ دل ہے موجِ طوفاں میں
ڈوبتا ہوں کبھی اُبھرتا ہوں
کھائے ہیں زندگی میں اتنے فریب
اپنے سائے سے بھی میں ڈرتا ہوں
حق بیانی شعار ہے میرا
''دل میں جو آئے کہہ گذرتا ہوں''

منتشر ہو نہ جائے میرا وجود
ریزہ ریزہ یونہی بکھرتا ہوں
منتظر ہوتا کاش وہ بھی مرا
جس کا میں انتظار کرتا ہوں
تنگ ہے عرصۂ حیات وہاں
دو گھڑی جس جگہہ ٹھہرتا ہوں
دشمنِ جاں ہے میرا وہ برقیؔ
ٹوٹ کر جس سے پیار کرتا ہوں

●

اکیلے مجھ پہ ہی کیوں اس کا آخر زور چلتا ہے
زمانہ کس لئے سینے پہ میرے مونگ دَلتا ہے
مرا خونِ جگر سینے میں اب دن رات جَلتا ہے
وہ میں ہوں آج طوفانِ حوادث میں جو پَلتا ہے
قدم جوشِ جنوں میں بھی مرا رُک رُک کے چلتا ہے
سنبھلتا ہوں میں ایسے جس طرح بچہ سنبھلتا ہے
کہاں سے لا کے دوں میں چاند تارے توڑ کر اس کو
مرا معصوم بچہ جس کو لینے کو مچلتا ہے
میں اکثر ذکر کرتا ہوں جب اُس سے اس کے وعدے کا
سیاست داں یہ کہتا ہے سیاست میں یہ چلتا ہے
گذر کیسے کروں گُھٹ گُھٹ کے یونہی زندگی اپنی
چراغِ آرزو میرا نہ بجھتا ہے نہ جلتا ہے
نہ کی جس نے شبِ فُرقت کبھی برقیؔ جگر کاوی
اسے معلوم کیا کیسے کوئی کروٹ بدلتا ہے

●

جو خود کو کہہ رہا ہے اک دلاور سامنے آئے
وہ لے کر ساتھ اپنا لاؤ لشکر سامنے آئے
بنا دیں گے اسے اپنا سگِ در سامنے آئے
جو بنتا ہے مقدر کا سکندر سامنے آئے
اُچھلتا کودتا پھرتا ہے جو موجِ حوادث میں
بقول ڈاروِن وہ تھا جو بندر سامنے آئے
ہم عاجز آگئے ہیں اُس کی اِس وعدہ خلافی سے
"گریباں چاک کر دیں گے جو رہبر سامنے آئے"
میں اپنے فقر و استغنا سے اس کو زیر کرلوں گا
سمجھتا ہے جو خود کو اک تونگر سامنے آئے
حقیقی شکل اپنی آئینے میں دیکھ لے گا وہ
جو عدل و داد کا مظہر ہے داور سامنے آئے
نہ ہونے دوں گا پژمُردہ اسے فصلِ خزاں میں بھی
گلستانِ محبت کا گُلِ تَر سامنے آئے
دکھا دے گا قلم کا اپنے جوہر اُس کو برقیؔ بھی
بڑے سے ہے بڑا جو بھی سخنور سامنے آئے

●

کوئی کسی کے ساتھ ہے کوئی کسی کے ساتھ
میں رہ رہا ہوں جیسے کسی اجنبی کے ساتھ

کھویا ہوا تھا جس کے میں ناز و نیاز میں
دل لے اُڑا وہ میرا بڑی سادگی کے ساتھ

ملتا ہے روز مجھ سے وہ بزمِ خیال میں
جس طرح ربط چاند کا ہے چاندنی کے ساتھ

قول و عمل میں جس کے ہمیشہ تضاد ہے
وہ کہہ رہا ہے مجھ سے میں ہوں آپ ہی کے ساتھ

پروردہ تھا مرا جو وہ تھا مارِ آستیں
ڈستا رہا مجھے بڑی شایستگی کے ساتھ

کیسے کرے کوئی حق و باطل میں امتیاز
وہ روشنی کے ساتھ ہے یا تیرگی کے ساتھ

اک دوسرے سے برسرِ پیکار ہیں سبھی
ہے آدمی کی جنگ و جدل آدمی کے ساتھ

جیسے نہ ہو کسی کا کوئی درد آشنا
''سنتے ہیں دل کی بات مگر بے دلی کے ساتھ''

بحرین جا رہا ہے کوئی اور قطر کوئی
رشتہ ہے کاروبار کا جس شاعری کے ساتھ

برقیؔ نہ تھی امید کریں گے مرے عزیز
اتنا بڑا مذاق مری زندگی کے ساتھ

●

وہ جو رہتا تھا میری سانسوں میں
اب ستاتا ہے مجھ کو خوابوں میں
میں سمجھنے سے جس کے ہوں قاصر
کہہ گیا مجھ سے باتوں باتوں میں
جس کا پُرسان حال کوئی نہیں
میں ہوں تنہا سیاہ راتوں میں
دم بخود ہوں میں کس طرح دیکھوں
''اتنے منظر ہیں میری آنکھوں میں''
جانتا ہے وہ کاتبِ تقدیر
جو لکیریں ہیں میرے ہاتھوں میں

کوئی بھی ہمسفر نہیں میرا
میں بھٹکتا ہوں جن سرابوں میں
تھی جو اُس گلعذار میں میرے
تازگی وہ نہیں گلابوں میں
اس کی باتوں میں تھا جو کیف و سرور
وہ نہیں چنگ اور ربابوں میں
وہ جو برقیؔ سے آج ہیں انجان
کل پڑھیں گے اسے کتابوں میں

●

دُزدیدہ نگاہوں سے ان کا چھپ چُھپ کے نظارا کرتے ہیں
وہ ہم کو اشارہ کرتے ہیں ہم ان کو اشارا کرتے کرتے ہیں
ہر رنج و خوشی میں آپس میں مِل جُل کے گذارا کرتے ہیں
وہ ہم کو گوارا کرتے ہیں ہم اُن کو گوارا کرتے ہیں
ہم جوشِ جنوں میں بھول گئے یہ پہلے کیا تھے آج ہیں کیا
وہ کرتے ہیں جو بھی ظلم و ستم ہنس ہنس کے گوارا کرتے ہیں
سوچا تھا ملیں گے نہ پھر اُن سے دل اپنا نہیں اپنے بس میں
وہ وعدہ شکن ہیں جان کے بھی یہ کام دوبارہ کرتے ہیں
جب سامنے ہوتے ہیں اپنے وہ مُہر بلب ہوتے ہیں سدا
غیروں کی وہ محفل میں لیکن اب ذکر ہمارا کرتے ہیں

اظہارِ تمنا کرتے ہی ہو جاتے ہیں وہ چیں بہ جبیں
اور سامنے رکھ کر آئینہ بس زلف سنوارا کرتے ہیں

ہے بارِ سماعت دونوں کو جیسی کرنی ویسی بھرنی
وہ ہم کو پُکارا کرتے ہیں ہم اُن کو پُکارا کرتے ہیں

ہم اُن کا دل رکھنے کے لئے سہتے ہیں غمزہ و ناز و ادا
دانستہ محبت کی بازی یوں جیت کے ہارا کرتے ہیں

بیتاب ہیں وہ بھی درپردہ میری ہی طرح ملنے کے لئے
دروازۂ دل کی چلمن سے چُھپ چُھپ کے نظارا کرتے ہیں

ہم جن کو سمجھتے تھے اپنا وہ دے نہ سکے ہم کو کاندھا
''دو چار قدم تو دشمن بھی تکلیف گوارا کرتے ہیں''

تڑپاتے ہیں اس کو رہ رہ کر ہو جیسے کوئی مُرغِ بسمل
وہ تیرِ نظر سے برقیؔ کو بے موت ہی مارا کرتے ہیں

●

مُڑ کر مجھے جس نے نہیں دیکھا اسے کہنا
کرتے نہیں یوں خونِ تمنا اسے کہنا
پردیس میں رہ کر وہ جسے بھول گیا ہے
وہ رہ کے سہاگن بھی ہے بیوہ اسے کہنا
پوچھے وہ اگر میری شبِ ہجر کا عالم
کس درجہ ہے وہ حوصلہ فرسا اسے کہنا
ترجیح جسے دیتا ہے مجھ پر وہ ستمگر
کردے سرِ بازار نہ رسوا اسے کہنا
وہ بھول گیا ہم کو اسے ہم نہیں بھولے
گرویدہ ہے اس کا دلِ شیدا اسے کہنا
وہ کہہ کے گیا تھا کہ بہت جلد ملیں گے
ہم دیکھ رہے ہیں ابھی رستہ اسے کہنا
جس وعدہ فراموش کو اس کا نہیں احساس
جذبات کا کرتے نہیں سودا اسے کہنا
ہر گام پہ ہے اس کی ضرورت ہمیں برقیؔ
''کچھ فاصلے کٹتے نہیں تنہا اسے کہنا''

●

مِلنا تھا جس سے آئینہ خانے میں رہ گیا
بزمِ خیال اپنی سجانے میں رہ گیا

آنے میں رہ گیا کبھی جانے میں رہ گیا
ہر روز اک نہ اک وہ بہانے میں رہ گیا

خونِ جگر وہ میرا جلانے میں رہ گیا
میں ساری عمر آگ بجھانے میں رہ گیا

اپنا سمجھ رہا تھا جنھیں وہ رقیب تھے
''میں دوستوں سے ہاتھ مِلانے میں رہ گیا''

سوزِ غمِ فراق سے دوبھر تھی زندگی
وہ مجھ سے صرف پیار جتانے میں رہ گیا

فرصت نہ تھی اسے کہ سنے میرا حالِ زار
اپنی ہی داستاں وہ سنانے میں رہ گیا
کرتا رہا جو خونِ تمنا تمام عمر
کردار اس کا میرے فسانے میں رہ گیا
حرفِ غلط ہے جس کی نظر میں مرا وجود
نام و نشاں وہ میرا مٹانے میں رہ گیا
اُس نے کبھی سنی نہیں برقیؔ کے من کی بات
وہ جس کا بارِ ناز اُٹھانے میں رہ گیا

●

کیا نظر کے سامنے ہے جلوۂ جانانہ آج
کس لئے تو جھومتا ہے اے دلِ دیوانہ آج
صحنِ گلشن میں مرا آنا ہو جیسے فالِ نیک
کر رہی ہے خود سے بیخود نرگسِ مستانہ آج
خواب میں ہی وہ سہی آیا تو ملنے کے لئے
مجھ پہ واجب ہو گیا ہے سجدۂ شکرانہ آج
اس قدر سرشار ہوں اس کی نگاہِ مست سے
ہیچ اس کے سامنے ہے ساغر و پیمانہ آج
یہ سمجھنے سے ہوں قاصر کیا ہے اس میں مصلحت
جس کو میں اپنا سمجھتا تھا وہ ہے بیگانہ آج
گردشِ دوراں اثر انداز ہے کچھ اس طرح
خود سے ہے میرا دلِ درد آشنا بیگانہ آج
خوبیِ قسمت پہ اپنی کیوں نہ مجھ کو ناز ہو
اوج پر ہے میری برقیؔ جرائت رندانہ آج

●

حسیں مناظرِ فطرت کو عام کرتا ہے
"ہمیں بہار کا موسم سلام کرتا ہے"
ہمارا فرض ہے ماحول سازگار کریں
کرے نہ آج وہ انساں جو کام کرتا ہے
عروج پر ہے ہر اک سمت عالمی حدت
خود اپنا کام جہاں یہ تمام کرتا ہے
بسا کے چاروں طرف کنکریٹ کے جنگل
جہاں کا درہم و برہم نظام کرتا ہے
فضا میں جس کو ہے پینے کو ہر کوئی مجبور
وہ جامِ زہر کا کیوں انتظام کرتا ہے

سمجھ رہا تھا جسے پاسبانِ غنچہ و گل
چمن میں ان کا وہی قتلِ عام کرتا ہے

ہیں لاجواب نقوشِ مصور فطرت
کہ جن کا سارا جہاں احترام کرتا ہے

ہیں سجدہ ریز سبھی بارگاہ میں جس کی
کہیں پہ صبح کہیں پر وہ شام کرتا ہے

ہے جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات تمام
وہ میرے خانۂ دل میں قیام کرتا ہے

دکھائی دیتا ہے اس کی وہ چشمِ میگوں میں
جو کام بادۂ عرفاں کا جام کرتا ہے

جنھیں بنایا تھا اجداد نے مرے برقیؔ
وہ جائیداد مری اپنے نام کرتا ہے

●

دلنشیں تھیں روئے زیبا کی حسیں رعنائیاں
اور تھیں سونے پہ سہاگہ اُس کی وہ انگڑائیاں
بجتی ہوں کانوں میں جیسے جانفزا شہنائیاں
گھولتی ہیں رس ابھی تک اُس کی وہ سرگوشیاں
اُس کی تصویرِ تصور ہے نظر کے سامنے
جُز تھا میری شخصیت کا میرا یارِ مہرباں
اُس سے جذباتی ہم آہنگی نہ بھولے گی کبھی
یاد ہے اب تک ملانا اس کا میری ہاں میں ہاں
میرے پہلو میں تھا جب تک میرا یارِ غمگسار
تھیں مساعد میرے حق میں سردیاں اور گرمیاں
جس سے روشن تھی مری شمعِ شبستانِ حیات
ضوفشاں ہے آج تک یادوں کی اس کی کہکشاں
تھا اُبھرنا ڈوبنا برقی کا جِن میں مشغلہ
جھیل سی آنکھوں کی اُس کی یاد ہیں گہرائیاں

●

کبھی اقرار کی الجھن کبھی انکار کی الجھن
سلجھتی ہی نہیں ہرگز مزاجِ یار کی الجھن
مجھے وہ دعوتِ نظارہ دے گا یا نہیں دے گا
ستاتی ہے مجھے ہر وقت یہ بیکار کی الجھن
بوقتِ سیرِ گلشن یہ اُلجھ جائیں نہ دامن میں
کھٹکتی ہے نگاہوں میں گلوں میں خار کی الجھن
مرے عزمِ سفر کی راہ میں ہوجاتی ہے حایل
دیارِ شوق میں یہ سایۂ دیوار کی الجھن
گزرتا ہے گراں مجھ پر یہ اس کا وعدۂ فردا
بہت صبر آزما ہوتی ہے یہ دیدار کی الجھن
الٰہی کشتیٔ عمرِ رواں کی خیر ہو اپنی
کبھی اِس پار کی اُلجھن کبھی اُس پار کی اُلجھن
سکونِ قلب ہوجاتا ہے اس سے درہم و برہم
وبالِ جاں ہے برقیؔ روز کی تکرار کی الجھن

●

مجھ کو نہ کوئی ساغر و پیمانہ چاہیئے
بس التفاتِ ساقیٔ میخانہ چاہیئے

گر دیکھنا ہے تجھ کو جمال و جلالِ یار
ذوقِ نگاہِ جلوۂ جانانہ چاہیئے

اپنی متاعِ قلب و جگر جن کو سونپ دی
وہ کہہ رہے ہیں اور بھی نذرانہ چاہیئے

احسان ہم پہ اتنے ہیں پروردگار کے
ہر ہر قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیئے

عہدِ رواں پہ کرنا ہے برقیؔ جو تبصرہ
ایسے میں تجھ کو جرأت رندانہ چاہیئے

●

پھینک کر مجھ پہ وہ کہتا ہے یہ کالے پتھر
نہ ملیں گے تمہیں پھر ایسے نرالے پتھر

گُل فشانی سے دیا میں نے اُسے اِس کا جواب
جو ہے معصوم وہی مُجھ پہ اُچھالے پتھر

دُم دبا کر مری نظروں سے ہوا وہ غائب
میں نے بھی جیب سے جب اپنی نکالے پتھر

درو دیوار کو کردے نہ کھنڈر میں تبدیل
اب زمانے سے نہ ڈر تو بھی سجا لے پتھر

سنگباری کا اگر شوق اسے ہے تو نہ ڈر
کس نے روکا ہے تجھے تو بھی اُٹھا لے پتھر

ہے ابھی وقت انہیں روک دے جمنے سے وہاں
ورنہ ٹالے سے ٹلیں گے نہیں ٹالے پتھر

اُس نے برقی کو سمجھ رکھا ہے شاید بُزدل
اُس کا شیوہ نہیں خاموشی سے کھالے پتھر

●

قحط الرجال ایسا ہے اب کس کو ہوش ہے
پہلے تھا جیسے اب وہ کہاں آج جوش ہے
سرسیدؔ اور شبلیؔ و حالیؔ نہیں رہے
اوجِ کمال پر ہے جو ملت فروش ہے
بارِ سماعت آج ہے ان کو مرا سخن
تارِ نَفَس یہ سوچ کے میرا خموش ہے
آماجگاہ غرب ہے برقیؔ دیارِ شرق
جو محوِ خواب ہیں اُنھیں کب اس کا ہوش ہے
کابل گیا، عراق گیا، لیبیا گیا
اب آج اُن کا دیدنی جوش و خروش ہے
غالبؔ نے شاید اس لئے پہلے ہی کہہ دیا
''اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے''
ایک ایک کرکے سب کو بنائیں گے وہ شکار
برقیؔ غزل یہ میری نوائے سروش ہے

●

مرے حالِ زبوں پر مجھ پہ کوئی مہرباں کیوں ہو
''نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو''
میں ہوں حرفِ غلط جس کو مٹانے پر تُلے ہیں سب
کوئی میرے لئے آخر جہاں میں نوحہ خواں کیوں ہو
چیچنیا ہو کہ برما ہو، فلسطیں ہو کہ غزہ ہو
جہاں میں سرخئ اخبار میری داستاں کیوں ہو
اس اندھے، گونگے اور بہرے جہاں میں بے زباں ہوں میں
مرا سوزِ دروں اقوامِ عالم پر عیاں کیوں ہو
ہوں میں بھی ابن آدم اور مجھے بھی حق ہے جینے کا
ہمیشہ بجلیوں کی زد پہ میرا آشیاں کیوں ہو
میں جن سے پوچھتا ہوں جھانکنے لگتے ہیں وہ بغلیں
مری ہی بستیوں میں ہر جگہ آہ و فغاں کیوں ہو
کرے عرضِ تمنا کیسے برقیؔ اعظمی اُن سے
وہ کہتے ہیں کہ تم میرے لئے بارِ گراں کیوں ہو

●

بزم میں آتے ہیں وہ جب نگہہِ ناز کے ساتھ
دل میں کرلیتے ہیں گھر غمزۂ غماز کے ساتھ

اُن کی اِس جُرا ء ت رندانہ کو کرتا ہوں سلام
عزم ہے اُن کا یہ پرواز کریں باز کے ساتھ

زد میں رہتا ہے سدا میرا نشیمن اس کی
دشمنی کیا ہے مری خانہ برانداز کے ساتھ

صفحۂ ذہن پہ وہ نقش ہیں یادوں کے ہجوم
وقت جو گذرا تھا پہلے مرا ہمراز کے ساتھ

زندگی میں تو کبھی پُرسشِ احوال نہ کی
''یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ''

روضۂ حافظؔ و سعدیؔ کی زیارت کے طفیل
کرتا ہوں عرضِ ہُنر اب اسی انداز کے ساتھ

جس کی عظمت پہ ہیں قربان یہ سب اہلِ جہاں
کیوں نہ آواز مِلاؤں اُسی آواز کے ساتھ

شہرِ شیراز میں کچھ روز تھا برقؔ کا قیام
اُس کا ہے ربطِ سخن گلشنِ شیراز کے ساتھ

●

بیاں کریں گے اسے عرضِ حال جو بھی ہو
جواب دیں گے ہم اس کا سوال جو بھی ہو
نہیں کریں گے ہم اپنے ضمیر کا سودا
ہمیں نصیب عروج و زوال جو بھی ہو
نشست گاہ میں بیٹھیں گے اس کی ہم جاکر
ہمارے عرضِ ہُنر کا مآل جو بھی ہو
نظر میں اس کی جو ہے فطرتاً ضمیر فروش
نہیں ہے فرق حلال و حرام جو بھی ہو
ہرایک حال میں پاکر رہیں گے ہم اس کو
خوشی نصیب ہو یا ہو ملال جو بھی ہو
نہیں ہیں مہرۂ شطرنج اس کے ہم ہرگز
شکست دیں گے اسے اس کی چال جو بھی ہو
مِلا ہے وہ اسے برقیؔ اعظمی سے برقیؔ کو
خدا کے فضل سے فضل و کمال جو بھی ہو

●

سہارا جینے کا اُس کی خَبر ہے کیا کہیے
ہوا رقیب تو ہو ، نامہ بَر ہے کیا کہیے

دیارِ شوق میں جس کے لئے ہوں سرگرداں
یہ دل اُسی کا مرا ہمسفر ہے کیا کہیے

ہمیشہ رہتا ہے مجھ سے جو بے خبر اُس سے
جنونِ شوق مرا باخبر ہے کیا کہیے

کروں تو کیسے کروں اُس کو میں نظر انداز
گلی اُسی کی مری رہگذر ہے کیا کہیے

وہ بھول جائے اُسے میں بُھلا نہیں سکتا
مرے لئے وہ مرا خواب گر ہے کیا کہیے

میں کرتا رہتا ہوں اُس کے لئے جگر کاوی
اُسے پسند یہ خونِ جگر ہے کیا کہیے

وہ جس کے تیرِ نظر نے مجھے کیا مجروح
وہ دردِ دل کا مرے چارہ گر ہے کیا کہیے

جو لوگ کہتے ہیں ہوتی ہے کارگر اکثر
وہ آہِ نیم شبی بے اثر ہے کیا کہیے

امیرِ شہر کا جورو ستم ہے وِردِ زباں
جسے بھی دیکھئے وہ نوحہ گر ہے کیا کہیے

کیا ہے خانماں برباد جس نے برقیؔ کو
یہ اُس کا خانۂ دل ، اُس کا گھر ہے کیا کہیے

●

جنونِ شوق یہ جس طرح سر میں رہتا ہے
خیال یار ہمیشہ سفر میں رہتا ہے
تصور اس کا مری چشمِ تَر میں رہتا ہے
''عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے''
اسی کی دین ہے یہ چارہ گر ہے جو میرا
ہمیشہ درد جو قلب و جگر میں رہتا ہے
امیر شہر کی ریشہ دوانیاں مت پوچھ
وہ اپنے طرزِ عمل سے خبر میں رہتا ہے
پڑے گی مہنگی اسے دوسروں پہ سنگ زنی
وہ شخص اپنے جو شیشے کے گھر میں رہتا ہے

جو زندگی میں اسے سربلند کرتا ہے
پدر کا جوہرِ ذاتی پسر میں رہتا ہے
ہمیں سمجھتا ہے وہ اپنا مہرۂ شطرنج
جو اس کی مثلِ پیادہ نظر میں رہتا ہے
نگار خامۂ ہستی کی زیب و زینت ہے
جو نورِ چہرۂ زیبا نظر میں رہتا ہے
کہیں نہ زیر و زَبَر کردے خانۂ دل کو
وہ ارتعاش جو دیوار و در میں رہتا ہے
مِلا ہے برقؔ سے برقیؔ کو وہ وراثت میں
شعورِ فکر جو عرضِ ہُنر میں رہتا ہے

●

مجھ کو حق بات سے ہرگز کوئی انکار نہیں
قولِ ناحق کا میں کرتا کبھی اقرار نہیں

سنگساری کا جو دستور ہے اجرا کرنا
پہلا پتھر وہی پھینکے جو گنہگار نہیں

حیثیت اُن کی ہے شطرنج کے مہروں کی طرح
خوابِ غفلت سے جو اس دور میں بیدار نہیں

وار پر وار پسِ پُشت کئے جاتے ہیں
دوست ہیں دشمنِ جاں اب مرے، اغیار نہیں

بے وفائی کا وہی دیتے ہیں طعنہ مجھ کو
ملک و ملت کے کبھی بھی جو وفادار نہیں

میر جعفر تو نہیں زندہ ہے اُس کی اولاد
کون کہتا ہے کہ ہم میں کوئی غدار نہیں
فن کی تخلیق پہ حاوی ہے مزاجِ دوراں
وقت کا ساتھ جو دیتا نہ ہو، فنکار نہیں
فن کے معیار پہ پرکھیں گے سُخن کا جوہر
''ہم سُخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں''
کیا مزہ ملتا ہے برقیؔ کی دل آزاری میں
کیوں نہیں کرتا وہ اقرار اگر پیار نہیں

●

مجھ پہ جو گذری ہے وہ قابلِ اظہار نہیں
کون ہے اپنے جو حالات سے بیزار نہیں

نظمِ عالم ہے جدھر دیکھئے درہم برہم
نوعِ انساں یہ کہاں برسرِ پیکار نہیں

کس کی ہیں ریشہ دوانی کے سبھی لوگ شکار
سرنگوں آج سبھی ہیں کوئی سر دار نہیں

مرزا غالب کے ہیں افکار سبھی پر غالب
قدرداں اُن کے میں فن کا ہوں،طرفدار نہیں

جو دکھاتا ہے زمانے کو قلم کا جوہر
اُس سے بہتر مری نظروں میں قلمکار نہیں

زیر کرتا ہے قلمکار قلم سے سب کو
لڑ رہا ہے وہ مگر ہاتھ میں تلوار نہیں

زد میں ہے برق کی ہر وقت نشیمن برقی
جادۂ شوق میں بھی سایۂ دیوار نہیں

●

مری جانب نگاہیں اس کی ہیں دُزدیدہ دُزدیدہ
جنونِ شوق میں دل ہے مرا شوریدہ شوریدہ
نہ پوچھ اے ہمنشیں کیسے گذرتی ہے شبِ فُرقت
میں ہوں آزُردہ خاطر وہ بھی ہے رنجیدہ رنجیدہ
گُماں ہوتا ہے ہر آہٹ پہ مُجھ کو اُس کے آنے کا
تصور میں مرے رہتا ہے وہ خوابیدہ خوابیدہ
وہ پہلے تو نہ تھا ایسا اُسے کیا ہوگیا آخر
نظر آتا ہے وہ اکثر مُجھے سنجیدہ سنجیدہ
نہ پوچھو میری اِس وارفتگیٔ شوق کا عالم
خلش دل کی مجھے کردیتی ہے نمدیدہ نمدیدہ
بہت پُرکیف تھا اُس کا تصور شامِ تنہائی
نگاہِ شوق ہے اب مُضطرب نادیدہ نادیدہ
سفر دشتِ تمنا کا بہت دشوار ہے برقیؔ
پہونچ جاؤں گا میں لیکن وہاں لغزیدہ لغزیدہ

●

مشکل میں اب جان پڑی ہے
"سر پہ ہمارے آن پڑی ہے"
جادۂ شوق کی میرے منزل
آ بھی جا سُنسان پڑی ہے
کب سے میرے دل کی بستی
بِن تیرے ویران پڑی ہے
آ کے زمانے بھر کی مصیبت
میرے گھر مہمان پڑی ہے
جانے کیوں وہ جان تمنا
ایک طرف بے جان پڑی ہے
اپنا سمجھ رہا تھا جس کو
مجھ سے وہ انجان پڑی ہے

میرے لئے جو دشمنِ جاں ہے
اُس کے لئے آسان پڑی ہے
دیکھ کے ہے حیراں آئینہ
سخت اس کی پہچان پڑی ہے
اک گوشے میں بیٹھ کے گُم سُم
دل میں لئے ارمان پڑی ہے
جاں پہ بنی ہے میری برقیؔ
اُس کو اپنی شان پڑی ہے

●

جنھیں مفت میں چاہئے تھے اُجالے
''غریبوں کے گھر بے خطا پھونک ڈالے''
ہیں عہدِ رواں کے جو یہ میر جعفر
وطن کر نہ دیں دشمنوں کے حوالے
جو بویا تھا اب وہ وہی کاٹتے ہیں
نہیں کوئی جو منھ میں ڈالے نوالے
ہیں محروم وہ لذتِ زندگی سے
سنبھلتی نہیں اب وہ دولت سنبھالے
یہ دنیا تو ہے چاندنی چار دن کی
تو یہ انجمن اور کچھ دن سجا لے
نہ جائے گا یہ مال و زر ساتھ تیرے
یہ ہے آخری جشن یہ بھی منا لے
سنیں گے جو حالِ زبوں وہ ہنسیں گے
تو بہتر ہے اِن آنسوؤں کو چھپالے
اگر زندگی میں سکوں چاہتا ہے

تو پھر سے یہ بزمِ محبت سجا لے
اگر ناخدائی کا دعویٰ ہے تجھ کو
تو یہ ڈوبتی میری کشتی بچالے
ہر اک سمت اک تیرگی کا ہے منظر
کہاں ڈھونڈوں یادوں کے اب وہ اُجالے
کرے گا وہ کب میری احوال پُرسی
نظر آئیں گے کب یہ پاؤں کے چھالے
مجھے بھی تھی اُڑنے کی خواہش فضا میں
مرے بال و پر اس نے کیوں توڑ ڈالے
نہ ڈس لیں کسی دن اسی کو یہ ڈر ہے
جو یہ سانپ ہیں آستینوں میں پالے
خدا نے ہے دولت سے جس کو نوازا
مرے سامنے وہ نہ سکے اچھالے
کہے گا وہ برقی سے ڈوبے گا جس دن
بچا لے بچالے بچالے بچالے

●

کیا بتاؤں بِن ترے اے جانِ جاں کچھ بھی نہیں
جسم و جاں میں اب مرے تاب و تواں کچھ بھی نہیں
تو نہیں تو میرے یارِ مہرباں کچھ بھی نہیں
بِن ترے میرے لئے عمرِ رواں کچھ بھی نہیں
میری نظروں میں وہ سنگ و خشت کا انبار ہے
تو نہ ہو جس میں مکیں ایسا مکاں کچھ بھی نہیں
کس قدر صبر آزما ہے مجھ کو تیرا انتظار
اس سے بڑھ کر زندگی میں امتحاں کچھ بھی نہیں
سایہ گُستر ہے یہ مجھ پر زندگی کی دھوپ میں
تیری زلفوں کا نہ ہو گر سائباں کچھ بھی نہیں
تجھ سے روشن ہے مری شمعِ شبستانِ حیات
تیرے آگے روشنیٔ کہکشاں کچھ بھی نہیں
یہ جہانِ آب و گِل میرے لئے بیکار ہے
"بجز ترے رنگینیٔ کون و مکاں کچھ بھی نہیں"
گر نہ ہو ذہنی سکوں ایسے میں برقیؔ اعظمی
مال و دولت، عیش و عشرت، عز و شاں کچھ بھی نہیں

●

میں پہلے مِلا اس سے جہاں یاد رہے گا
" وہ شہر وہ کوچہ وہ مکاں یادرہے گا"
وہ عشق جو تھا راحتِ جاں یاد رہے گا
تھا وہ بھی حسیں میں بھی جواں یاد رہے گا
ہے ذہن کے صفحات پہ جو نقش ابھی تک
ملنے و بچھڑنے کا سماں یاد رہے گا
بھولا نہیں اس کی ابھی دُزدیدہ نگاہی
وہ تھا جو مری روحِ رواں یاد رہےگا
ہیں یاد مجھے اُس کی کنکھیوں کے اشارے
وہ بھول گیا اُس کو کہاں یادرہے گا
یہ سوزِ دروں میرا مجھے مار نہ ڈالے
آنکھوں سے ہےجو میری نہاں یاد رہے گا
ہے سامنے جس کی مرے تصویرِ تصور
جاؤں گا جہاں مجھ کو وہاں یاد رہے گا
ہے اس کی نہیں ذہن پہ برقی کے گرانبار
ہر بات پہ کہتا تھا جو ہاں یاد رہے گا

●

ہو گئی ظلم و ستم کی انتہا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
سہہ رہے ہیں اُس کا جورِ ناروا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
ہم کریں اب کس سے عرضِ مُدعا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
ہے اُسی کے ہاتھ میں دارالقضا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
اب نہیں بلبل کوئی نغمہ سرا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
ہو گیا ہے بند اُس کا ناطقا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
ملتی ہے کس بات کی ہم کو سزا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
گلشنِ امید ہے اُجڑا ہوا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
کیسے یہ کاشانۂ دل جل گیا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
روح فرسا ہے یہ بیحد حادثا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
سر سے کب جائے گی یہ موجِ بلا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
تلخ ہے اب زندگی کا ذائقا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
کوئی برقی کا نہیں درد آشنا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کب ہوا
نالہ و فریاد ہے یہ نارسا، کیا ہوا کیسے ہوا اور کیا ہوا

●

جو ہو رہا ہے شام و سحر دیکھا جائے گا
ہے آج جو اِدھر وہ اُدھر دیکھا جائے گا

یہ سوچ کر ہے ذہن پراگندہ کیا، یونہی
دشمن بشر کا ابن بشر دیکھا جائے گا

تازہ ہوا کو لوگ ترس جائیں گے یہاں
جب شہر میں نہ کوئی شجر دیکھا جائے گا

حاوی مشاعروں پہ سیاست رہی تو پھر
کوئی کہیں نہ اہلِ نظر دیکھا جائے گا

کچھ زور چل سکے گا نہ پھر تخت و تاج کا
جب آہِ آتشیں کا اثر دیکھا جائے گا

حایل نہ ہو سکے گا کوئی اپنی راہ میں
درپیش ہوگا جب بھی سفر دیکھا جائے گا

برقی ہوں میں بھی سینہ سپر رزمگاہ میں
آئے گا سامنے وہ اگر دیکھا جائے گا

●

اُن کو ہے اپنی فقط گھٹتی ہوئی شان کا دکھ
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا کسی انسان کا دکھ
منتشر آج ہے شیرازۂ ملت اپنا
ہے کہیں شیخ کا دکھ اور کہیں خان کا دکھ
سبھی ذی روح ہیں طوفانِ حوادث کے شکار
دکھ تو دکھ ہے، وہ ہو انسان کہ حیوان کا دکھ
خونِ انساں کی تجارت نہیں دیکھی جاتی
ہے یہی آج مرے ذہنِ پریشان کا دکھ
ہیں وہ کیوں جان کے انجان مرا سوزِ دروں
نظر آتا نہیں کیوں ان کو مری جان کا دکھ
میری نظروں میں برابر ہے سبھی کی تکلیف
ہو شناسا کا مرے یا کسی انجان کا دکھ
نظم کی راہ دکھائی ہے جو حالؔی نے ہمیں
ختم ہوتی ہوئی اب اس کی ہے پہچان کا دکھ
جَل گیا شعلۂ نفرت میں جو گھر اس کا ہے غم
مجھ کو برقؔی نہیں اپنے سر و سامان کا دکھ

●

جو پھرتا ہے ہمیشہ کوچۂ دلدار کے پیچھے
نظر رہتی ہے اس کی شربتِ دیدار کے پیچھے

مجھے معلوم ہے کیا ہے مزاج یار کے پیچھے
رضامندی ہے شامل اس کی اس انکار کے پیچھے

کوئی کہہ دے یہ اُن سے چار دن کی چاندنی ہے یہ
لگے رہتے ہیں جو ہردم لب و رخسار کے پیچھے

جہاں ہر دور میں تھا دشمنِ جاں حق پرستوں کا
ملیں گے سرمد و منصور اب بھی دار کے پیچھے

حقیقی زندگی کیا ہے اگر یہ دیکھنا چاہیں
تو دیکھیں جا کے اس کو کوچہ و بازار کے پیچھے

ہیں نالاں غنچہ و گل باغباں کی باغبانی سے
پڑا ہے ہاتھ دھو کر جو گُل و گُلزار کے پیچھے

نہ چھوڑے گا کہیں کا آپ کو وہ جان لیں اک دن
نہ جائیں اُس کی اِس شیرینیٔ گفتار کے پیچھے

مصاحب تھا امیرِ شہر کا جو مُفسدِ دوراں
نہیں ہے اب کوئی اُس حاشیہ بردار کے پیچھے

چمن میں جا کے دیکھو خود نظر آجائے گا تم کو
گُلِ اُمید برقیؔ اعظمی ہے خار کے پیچھے

●

جسے میں کہہ سکوں وہ ہے رفیقِ کار مرا
نہیں ہے ایسا کوئی یارِ غمگسار مرا
نظر میں جس کی ہے مشکوک میری قربانی
نہ جانے کیسے کرے گا وہ اعتبار مرا
جو اِرد گِرد بوقتِ عروج تھے میرے
کسے نے پوچھا نہیں مجھ سے حالِ زار مرا
نہ آئے جیتے جی کرنے جو پُرسشِ احوال
وہ پوچھتے ہیں کہاں آج ہے مزار مرا
وہ چاہتے ہیں کہ میں منتظر رہوں ان کا
جو کرتے رہتے تھے ہروقت انتظار مرا
مشاعروں کی ہیں رونق بہت سے متشاعر
سخنوروں میں نہیں ہے کہیں شمار مرا
ہے چارہ جوئی کی مہلت یہ عارضی برقیؔ
نہ سلب کرلیں کہیں یہ بھی اختیار مرا

●

میری ہی طرح وہ مجھے شوریدہ سر ملے
مجھ کو رہِ حیات میں جو ہمسفر ملے

منہ موڑ کر گذر گئے وہ مجھ کو دیکھ کر
میں نے انھیں سلام کیا وہ جدھر ملے

لگتا ہے ان سے شمع کو ہے ایک ربطِ خاص
"پروانے ڈھونڈ ڈھونڈ کے لائی جدھر ملے"

جن کے لئے ہیں دیدہ و دل میرے فرشِ راہ
آئیں نہ آئیں ان کی مجھے ہر خبر ملے

کیوں بدگماں ہیں مجھ سے بتائیں تو وہ سہی
پوچھوں گا میں یہ ان سے دوبارہ اگر ملے

در اصل ان کو خود تھی ضرورت علاج کی
ذہنی مریض تھے جو مجھے چارہ گر ملے

ہیں جو زمانہ ساز رہیں مجھ سے دور وہ
مجھ سے ملے خلوص سے کوئی اگر ملے

زد پر تھا برق و باد کی گلزارِ زندگی
دامن دریدہ باغ میں برگ و شجر ملے

دم گُھٹ رہا ہے پینے سے ہر وقت جامِ زہر
تازہ ہوا تو شہر میں شام و سحر ملے

اپنے حصارِ زیست میں محصور ہیں سبھی
ذہنی سکوں بتاؤ تمھیں اب کدھر ملے

جب بھی دیارِ شوق سے میرا گذر ہوا
خانہ بدوش لوگ وہاں در بدر ملے

اک دردِ سر ہے میرے لئے یہ شبِ فراق
سب نالہ ہائے نیم شبی بے اثر ملے

مدعو جہاں تھا اہلِ سیاست کی بزم میں
انساں نما وہاں پہ کئی جانور ملے

دنیائے رنگ و بو میں رہیں سب سکون سے
ہر شخص کو چھپانے کو سر، ایک گھر ملے

برقی کی فضلِ حق سے دعا ہو یہ مستجاب
دل دل سے اور اُن کی نظر سے نظر ملے

●

تنگ کر رہے ہیں کیوں دائرہ محبت کا
آپ ہی کو کرنا ہے فیصلہ محبت کا
آپ ساتھ اگر دیں گے راہ شوق میں میرا
ہوگا طے بآسانی مرحلہ محبت کا
آپ کا تصور ہے نقش صفحۂ دل پر
آپ ہی سے ملتا ہے حوصلہ محبت کا
دیں گے آ کے کب دستک میرے اس درِ دل پر
لے رہے ہیں کیا میری جائزہ محبت کا
سبز باغ دکھلانا چھوڑ دیجئے مجھ کو
دیجئے نہ بس یونہی آسرا محبت کا
تھام لیں مجھے آ گر گِر نہ جاؤں میں تھک کر
کیسے طے کروں تنہا راستہ محبت کا
آپ کے علاوہ اب کچھ نظر نہیں آتا
آپ ہی ہیں اب میری آئینہ محبت کا

اس کو گر بجھانا تھا کیوں جلایا پھر آخر
آپ کیوں بجھاتے ہیں یہ دیا محبت کا
اب سہے نہیں جاتے یہ فراق کے لمحے
ختم ہوگا کب آخر فاصلہ محبت کا
شعلۂ محبت کو دیں گے یوں ہوا کب تک
جائے تو کہاں جائے دل جلا محبت کا
ہے متاعِ شوق اپنی زندگی کا سرمایہ
جس میں سب سے افضل ہے مرتبہ محبت کا
پاسباں ہیں برقیؔ کے آپ اگر تو آجائیں
لُٹ نہ جائے رستے میں قافلہ محبت کا

●

فریب اس نے دیا جس کا کام چھلنا تھا
اکیلا چھوڑ دیا جس کو ساتھ چلنا تھا
مرے نصیب میں لکھی تھی پرورش اس کی
''وہ سانپ جس کو مری آستیں میں پلنا تھا''
میں اس کے وصل سے کس طرح بہرہ ور ہوتا
مجھے تو آتشِ فرقت میں یونہی جلنا تھا
نہ آئی کام مرے چارہ گر کی چارہ گری
بہل سکا نہ مرا دل جسے بہلنا تھا
تھپیڑے کھاتی رہی اس میں میری کشتئ عمر
مجھے تو موجِ حوادث میں رہ کے پلنا تھا
دبی ہے حسرتِ خوابیدہ آج بھی دل میں
مچل رہا ہے ابھی تک جسے مچلنا تھا
بکھر سکا نہ مری زندگی کا شیرازہ
دیارِ شوق میں گر گر کے یوں سنبھلنا تھا
ہے آج عہدِ رواں میں شکارِ دربدری
نظامِ گردشِ دوراں جسے بدلنا تھا
شعار وعدہ خلافی ہے اس کا اے برقیؔ
بدلتا کیسے نہ آخر جسے بدلنا تھا

●

جا رہے ہیں آپ تو پھر مسکراتے جائیے
''اپنی یادوں کا سرو ساماں جلاتے جائیے''
خانۂ دل جس میں مہماں تھے وہ ڈھاتے جائیے
نقش ہیں جو لوحِ دل پر وہ مٹاتے جائیے
خونِ دل جتنا جلانا ہے جلاتے جائیے
جشنِ بربادی محبت کا مناتے جائیے
سُرخرو ہیں آپ تو پھر سر اُٹھاتے جائیے
جاتے جاتے مجھ سے پھر نظریں مِلاتے جائیے
کیوں کیا ترکِ تعلق مجھ سے آخر آپ نے
کیا خطا تھی میری یہ مجھ کو بتاتے جائیے
اِک ہنسی پر آپ کی میں مَر مِٹا دیوانہ وار
آپ سے کس نے کہا مجھ کو رُلاتے جائیے

قصرِ دل میں آکے میرے کیوں جلایا تھا اسے
ہے یہ یادوں کا دیا اس کو بجھاتے جایئے
چار دن کی چاندنی ہے یہ جہانِ آب و گِل
جس طرح پہلے ہنساتے تھے ہنساتے جایئے
آپ کا بھی جلد ہی آئے گا یومِ احتساب
ہے جو دوگز کی زباں منہ میں چلاتے جایئے
زندگی کا ماحصل ہوگی مری اس کی مہک
گلشنِ ہستی میں کوئی گُل کِھلاتے جایئے
دوستی کا گھونٹ دیں اپنے ہی ہاتھوں سے گلہ
فرض ہے جو دوستی کا وہ نبھاتے جایئے
آپ کو جون ایلیا کی دے رہا ہوں میں قسم
گا رہے تھے ان کی جو غزلیں وہ گاتے جایئے
کہہ رہا ہے آپ سے جو آج برقی اعظمی
اس کی سنئے اور اپنی بھی سناتے جایئے

جو کی جذبۂ شوق نے دستگیری مری جادۂ عشق میں چلتے چلتے
پہنچ ہی گیا اپنی منزل پہ آخر خراماں خراماں ٹہلتے ٹہلتے
چراغ محبت کی لو ہے جو مدھم نہ بجھ جائے یہ ناگہاں جلتے جلتے
نہ ہو جاؤں میں یونہی دنیا سے رخصت شبِ ہجر کروٹ بدلتے بدلتے
تجھے ناز ہے جس پہ اے جانِ جاناں فقط چاندنی ہے وہ اک چار دن کی
جو بَروقت تو مجھ سے مِلنے نہ آیا ترا حسن ڈھل جائے گا ڈھلتے ڈھلتے
یہ سوزِ دروں مار ڈالے نہ مجھ کو کہ ہر وقت رہتا ہے مجھ کو یہ خدشہ
کہیں خاک کر دے نہ مجھ کو بالآخر مرے جسم میں خوں اُبلتے اُبلتے
کہا اُس سے جب یہ غمِ زندگی سے مرا ذہن کب تک رہے گا یہ بوجھل
وہ بولا ہے میٹھا بہت صبر کا پھل بہل جائے کا دل بہلتے بہلتے
نہ کھائی ہو جس نے کبھی کوئی ٹھوکر وہ کیا جانے کیسے سنبھلتے ہیں گِر کر
ہے گِر گِر کے جس کو سنبھلنے کی عادت سنبھل جائے گا وہ سنبھلتے سنبھلتے
جسے جان پیاری ہے جیتا رہے گا وہ ہر حال میں چاہے جس طرح گذرے

بفضلِ خدا آج بھی ہے سلامت وہ بحرِ حوادث میں بھی پلتے پلتے
سلامت روی بھی ہے بیحد ضروری بہت ہو گیا اپنی حد میں رہے وہ
بہت اُڑ رہا ہے جو اوجِ فلک پر کہیں گر نہ جائے اُچھلتے اُچھلتے
کہاں سے اُسے لا کے دوں چاند تارے بضد ہے وہ لے کر ہی مانے گا مجھ سے
کہا میرے معصوم بچے نے اک دن سرِ راہ مجھ سے مچلتے مچلتے
نہ کام آئی کچھ اُس سے عرضِ تمنا ہوا ٹس سے مس وہ نہ اپنی روش سے
کہا اُس نے برقیؔ سے اک روز ہنس کر گلے گی تری دال بھی گلتے گلتے

بزمِ سخن لندن کے ۳۵ ویں عالمی طرحی مشاعرے

برائے ماہ نومبر ۲۰۱۹ کے لئے میری غزل مسلسل

مصرعہ طرح: غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا (داغ دہلوی)

جنونِ عشق نے اس درجہ بیقرار کیا
نگاہِ شوق کو تاعمر اشکبار کیا
شبِ فراق بہت اُس کا انتظار کیا
نہ ہوسکا وہ مرا جس سے میں نے پیار کیا
نہ چاہتے ہوئے کہنا پڑا مجھے اُس سے
"غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا"
چلا کے غمزہ و نازوادا سے تیرِ نظر
دل و جگر کو مرے اُس نے داغدار کیا
ہمیشہ کرتا تھا میری جو نازبرداری
مجھے رقیب کی محفل میں شرمسار کیا
امیدِ چارہ گری کررہا تھا میں جس سے

اُسی نے دامنِ دل میرا تارتار کیا
ہو سب کے سامنے جس سے مری دلآزاری
وہ کام اُس نے سرِ بزم بار بار کیا
کھٹک رہا ہے نگاہوں میں اہلِ گلشن کی
فضائے صحنِ چمن جس نے سازگار کیا
جسے سمجھتا رہا جاں نثار وہ اپنا
رگِ حیات پہ برقیؔ کی اُس نے وار کیا

●

وحشت زدہ ہیں گردشِ دوراں کی چال سے
کب دیکھئے نکلتے ہیں ہم اس کے جال سے

ہے چار دن کی چاندنی دنیائے رنگ و بو
کوئی بھی بچ سکا نہ عروج و زوال سے

میری ہر ایک بات جسے ناگوار ہے
ہوتی ہے کوفت اُس کو مری عرضِ حال سے

اچھے دنوں کے خواب کی تعبیر دیکھ کر ہیں
آج جاں بلب سبھی حُزن و ملال سے

شطرنج کی بساط کا مُہرہ ہوں جیسے ہم
دیتے ہیں جس کو مات سبھی اپنی چال سے

اس طرح غم غلط کیا اپنا شبِ فراق
"ہم رو دیئے لِپٹ کے تمھارے خیال سے"

نسلِ جواں کا اپنی نہ جانے ہو کیا مآل
برقیؔ نہیں امید کوئی ماہ و سال سے

فارسی غزلوں کے منظوم اردو تراجم

و

فارسی کلام

فارسی غزل

مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؒ

این قدر مستم کہ از چشمم شراب آید برون
وز دلِ پُر حسرتم دودِ کباب آید برون
ماہِ من در نیم شب چوں بی نقاب آید برون
زاہدِ صد سالہ از مسجد خراب آید برون
صبحدم چون رُخ نمودی شد نمازِ من قضا
سجدہ کی باشد روا چون آفتاب آید برون
این قدر رندم کہ وقتِ قتل زیرِ تیغِ او
جای خون از چشمِ من موجِ شراب آید بروں
یارِ من در مکتب و من در سرِ رہ منتظر
منتظر بودم کہ یارم با کتاب آید برون
قطرۂ دردِ دلِ جامیؒ بہ دریا اوفتد
سینہ سوزان، دل کتان، ماھی زِ آب آید برون

مولانا عبدالرحمن جامی کی ایک فارسی غزل

کا منظوم اردو ترجمہ

اس قدر ہوں مست آنکھوں سے چھلکتی ہے شراب
اُٹھتا ہے حسرت بھرے دل سے مرے دودِ کباب

جب نکلتا ہے مرا یہ چاند آدھی رات کو
زہد زاہد کا بھی ہوجاتا ہے مسجد میں خراب

دیکھتے ہی صبح دم تجھ کو ہوئی ساقط نماز
سجدہ ہو کیسے روا بعد از طلوعِ آفتاب

میں ہوں ایسا رند وقتِ قتل جس کے زیرِ تیغ
آنکھوں سے خوں کی جگہ باہر نکلتی ہے شراب

دوست مکتب میں ہے میرا راہ میں ہوں منتظر
آئے گا مکتب سے کب باہر وہ ہمراہِ کتاب

قطرۂ دردِ دلِ جامیؔ گرے دریا میں جب
ماہیٔ دل سوز بھی آجائے گی بالائے آب

غزل فارسی فخرالدین عراقی

نخستین بادہ کاندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند
چو با خود یافتند اہل طرب را
شراب بیخودی در جام کردند
ز بہر صید دل ہای جہانی
کمند زلف خوبان دام کردند
بہ گیتی ہرکجا درد دلی بود
بہم کردند و عشقش نام کردند
جمال خویشتن را جلوہ دادند
بہ یک جلوہ دو عالم رام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند؟

فخرالدین ابراہیم عراقی کی فارسی غزل
کامنظوم اردو ترجمہ

شرابِ معرفت کا جو دیا جام
وہ چشمِ مست ساقی سے لیا وام
ملے اہلِ طرب جب اُن سے، اُن کو
شرابِ بے خودی کا دے دیا جام
دلِ اہلِ جہاں کرنے کو تسخیر
کمندِ زلفِ خوباں کو کیا دام
جہاں بھی دردِ دل پایا ملا کر
دیا اس کو انہوں نے عشق کا نام
دکھا کر اک جھلک اپنی جہاں کو
اُسی سے دونوں عالم کو کیا رام
کیا خود فاش جب رازِ محبت
عراقی کو کیا بیکار بدنام؟

غزل فارسی

سر سید احمد خاں

فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم
مسیحا رشک می آرد بہ درمانے کہ دارم

زِ کفرِ من چہ میخواہی زِ ایمانم چہ می پُرسی
ہمہ یک شعلۂ عشق است ایمانے کہ من دارم

خدا دارم، دلِ بریاں زِ عشقِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دارم
ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم

زِ جبریلِ امیں قرآن، پیغامے نمی خوانم
ہمہ گفتارِ معشوق است قرآنے کہ من دارم

فلک یک مطلعِ خورشید دارد با ہمہ شوکت
ہزاران اینچنین داردگریبانے کہ من دارم

زِ بُرہاں تا بہ ایماں سنگ ہا دارد رہِ واعظ
ندارد ہیچ واعظ، ہمچو بُرہانے کہ من دارم

سر سید احمد خاں کی ایک فارسی غزل کا منظوم اردو ترجمہ

فلاطوں اک مرے یونان کا طفلِ دبستاں ہے
مسیحا کو بھی جس پر رشک ہے وہ میرا درماں ہے
میں کافر ہوں کہ مومن اِس سے آخر تم کو کیا مطلب
سراپا ایک سوزِ عشق میرا نورِ ایماں ہے
محمد مُصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں دل میرا بِریاں ہے
کوئی کافر نہیں رکھتا جو میرا ساز و ساماں ہے
نہیں درکار جبریلِ امیں سے ہے مجھے قرآں
سراپا گفتگو معشوق کی یہ میرا قرآں ہے
فلک پر شان وشوکت سے ہے روشن ایک ہی سورج
ہزاروں سورجوں کا آستاں میرا گریباں ہے
ہے بیحد فاصلہ زاہد کی راہِ عقل و ایماں میں
نہیں ہے پاس واعظ کے جو میرے پاس بُرہاں ہے

فارسی غزل حضرت امیر خسرو دہلوی

امیر خسرو دہلوی ''دیوان اشعار'' غزلیات

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چون کنم دل به چنین روز ز دلدار جدا
ابر و باران و من و یار ستاده به وداع
من جدا گریه کنان، ابر جدا، یار جدا
سبزه نوخیز و ہوا خرم و بستان سرسبز
بلبل روی سیه مانده ز گلزار جدا
ای مرا درتہہ ہر موی به زلفت بندی
چه کنی بند ز بندم ہمہ یکبار جدا
دیده از بہر تو خونبار شد، ای مردم چشم
مردمی کن، مشو از دیده خونبار جدا
نعمت دیده نخواہم که بماند پس از این

ماندہ چون دیدہ ازان نعمت دیدار جدا
دیدہ صد رخنہ شد از بہر تو، خاکی ز رہت
زود برگیر و بکن رخنہ دیوار جدا
می دہم جان مرو از من، وگرت باور نیست
پیش ازان خواہی، بستان و نگہدار جدا
حسن تو دیر نپاید چو ز خسؔرو رفتی
گل بسی دیر نماند چو شد از خار جدا

حضرت امیر خسرو دہلوی کی ایک فارسی غزل کا منظوم اردو مفہوم

ابرِ باراں میں ہے اب مجھ سے مرا یار جدا
کیا کروں ایسے میں جب مجھ سے ہو دلدار جدا

چھوڑ کر جاتا ہے بارش میں مجھے یار مرا
میں الگ روتا ہوں روتا ہے الگ یار جدا

باغ سرسبز ہے، موسم ہے حسیں ، سبزہ جواں
رہتے ہیں ایسے میں اب بلبل و گلزار جدا

تونے کررکھا تھا زلفوں میں گرفتار مجھے
کردیا کیوں مجھے اس بند سے یکبار جدا

چشمِ پُرنَم مری خونبار ہے یہ تیرے لئے
تجھ سے رہ سکتا نہیں دیدۂ خونبار جدا

کیا کروں گا میں یہ اب آنکھ کی نعمت لے کر
مجھ سے ہوجائے گی جب نعمتِ دیدار جدا
درمیاں آنکھوں کے ہیں سیکڑوں پردے حائل
لوٹ آ جلد تو اور کردے یہ دیوار جدا
جان دے دوں گا اگر چھوڑ کے تو مجھ کو گیا
تجھ میں ہے جان مری مجھ سے نہ ہو یار جدا
حسن باقی نہ رہے گا ترا خسروؔ کے بغیر
گل سے ہرگز نہیں رہ سکتا ہے گلزار جدا

فارسی غزل حضرت امام خمینی

رازی است مرا، رازگشایی خواهم
دردی است به جانم و دوایی خواهم
گر طور ندیدم و نخواهم دیدن
در طورِ دل از تو جای پایی خواهم
گر صوفی صافی نشدم در ره عشق
از همت پیر ره صفایی خواهم
گر دوست وفایی نکند بر درویش
با جان و دلم از او جفایی خواهم
بردار حجاب از رخ، ای دلبر حُسن
در ظلمت شب راهنمایی خواهم
از خویش برون شو ای فرو رفته به خود
من عاشقِ از خویش رهایی خواهم
در جان منیّ و می نیابم رخ تو
در کنزِ عیان، کنزِ خفایی خواهم
این دفترِ عشق را ببند ای درویش
من غرقم و دست ناخدایی خواهم

آیت اللہ العظمیٰ حضرت امام خمینی کی

ایک فارسی غزل کا منظوم اردو ترجمہ

راز کا اپنے میں اک راز گشا چاہتا ہوں
مجھ کو جو درد ہے میں اس کی دوا چاہتا ہوں
طور دیکھا نہیں خواہش بھی نہیں ہے اس کی
دل میں جو طور ہے اس میں تری جا چاہتا ہوں
ہو سکا صوفی صافی نہ اگر در رہِ عشق
اپنے میں پیرِ طریقت سے صفا چاہتا ہوں
دوست نے مجھ سے وفا کا نہ کیا گرچہ سلوک
وہ ستمگر ہے اگر اس سے جفا چاہتا ہوں
دلبرِ حسن ہٹا دے رخِ زیبا سے نقاب
ظلمتِ شب میں، میں اک راہنما چاہتا ہوں
خود میں کھویا ہے جو آجائے وہ خود سے باہر
عشق میں خود کو میں اب خود سے رہا چاہتا ہوں
مجھ سے پوشیدہ ہے تو جان میں رہ کر میری
دل میں میں اپنے تجھے جلوہ نما چاہتا ہوں
دفترِ عشق کو اب بند بھی کردے درویش
غرق ہوں اس لئے اک عقدہ کشا چاہتا ہوں

غزل فارسی عارفانہ

آیت اللہ العظمٰی امام خمینی

من بہ خالِ لبت،ای دوست گرفتار شدم
چشمِ بیمار تو را دیدم و بیمار شدم
فارغ از خود شدم و کوس اناالحق بزدم
ھمچو منصور خریدار سرِ دار شدم
غمِ دلدار فگندہ است بہ جانم شرری
کہ بجان آمدم و شھرۂ بازار شدم
درِ میخانہ گشایید بہ رویم، شب و روز
کہ من از مسجد و از مدرسہ بیزار شدم
جامۂ زھد و ریا کندم و بر تن کردم
خرقۂ پیر خراباتی و ھشیار شدم
واعظِ شھر کہ از پند خود آزارم داد
از دمِ رندِ می آلودہ، مددکار شدم
بگذارید کہ از بتکدہ یادی بکنم
من کہ با دستِ بتِ میکدہ بیدار شدم

آیت اللہ عظمیٰ حضرت امام خمینی کی ایک عارفانہ غزل
کا منظوم اردو مفہوم

خالِ لب پر ترے اے دوست گرفتار ہوا
چشمِ بیمار تری دیکھ کے بیمار ہوا

خود سے بیخود ہوا دے بیٹھا اناالحق کی صدا
مثل منصور سرِ دار خریدار ہوا

غمِ دلدار نے پیدا کیا مجھ میں وہ شرر
جاں ہتھیلی پہ لئے شہرۂ بازار ہوا

درِ میخانہ شب و روز کرو مجھ پر باز
مسجد و مدرسہ سے دل مرا بیزار ہوا

جامۂ زہد کیا ترک، پہن کر اس کو
خِرقۂ پیرِ خراباتی سے ہشیار ہوا

واعظِ شہر کی باتوں نے دلآزاری کی
رند میخوار تھا جو میرا مددگار ہوا

چھوڑ دو مجھ کو اب یاد کروں میکدہ میں
بیعتِ ساقیٔ میخانہ سے بیدار ہوا

غزل فارسی حافظ شیرازی

آنان کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمی بہ ما کنند

دردم نہفتہ بہ ز طبیبان مدعی
باشد کہ از خزانۂ غیبم دوا کنند

معشوق چون نقاب ز رخ در نمی کشد
ھرکس حکایتی بہ تصور چرا کنند

چون حسن عاقبت نہ بہ رندی و زاھدیست
آن بہ کہ کار خود بہ عنایت رھا کنند

بی معرفت مباش کہ در من یزید عشق
اھلِ نظر معاملہ با آشنا کنند

حالی درون پردہ بسی فتنہ میرود
تا آن زمان کہ پردہ برافتد چہ ھا کنند

گر سنگ از این حدیث بنالد عجب مدار
صاحب دلان حکایت دل خوش ادا کنند

می ده که صد گناه ز اغیار در حجاب
بهتر ز طاعتی که به روی و ریا کنند

پنهان ز حاسدان به خودم خوان که منعمان
خیر نهان برای رضای خدا کنند

حافظ دوام وصل میسر نمی شود
شاهان کم التفات به حال گدا کنند

حافظ شیرازی کی ایک فارسی غزل کے چند اشعار کا
منظوم اردو مفہوم

اے کاش مجھ پہ بھی وہ نگاہِ کرم کریں
کرتے ہیں اک نظر میں جو مٹی کو کیمیا

اچھا ہے اُن طبیبوں سے مخفی ہو میرا درد
اپنے وہ گنجِ غیب سے میری کریں دوا

معشوق جب اُٹھاتا نہیں اپنا خود نقاب
کیوں پیش کر رہے ہیں خیالی وہ ماجرا

رندی و زہد سے جو میسر نہیں وہ حسن
بہتر ہے اپنا چھوڑ دیں خود اس پہ مدعا

واقف ہیں رازِ عشق سے جو اہلِ معرفت
رکھتے ہیں اُن سے ربط جو ہیں ان سے آشنا

در پردہ اُن کے فتنوں کا ہے ایک سلسلہ
جب تک اُٹھے گا پردہ نہ جانے کریں وہ کیا
سن کر یہ بات چیخ اٹھے پتھر بھی کیا عجب
کرتے ہیں خوش ادائی سے اظہارِ مدعا
درپردہ سو گناہ سے بہتر ہے میکشی
بیکار ایسا زہد ہے جو محض ہو ریا
پوشیدہ حاسدوں سے تو رہ کیونکہ اہلِ خیر
کرتے ہیں کام جس میں خدا کی ہو بس رضا
حافظؔ ہمیشہ وصل نہیں ہے نصیب میں
ہوتے ہیں لطفِ شاہ سے کم بہرہ ور گدا

علامہ اقبال کا فارسی کلام ’’میلادِ آدم‘‘

نعره زد عشق که خونیں جگری پیدا شد
حسن لرزید که صاحب نظری پیدا شد
فطرت آشفت که از خاک جهانِ مجبور
خود گری، خود شکنی ،خود نگری پیدا شد
خبری رفت زِ گردون به شبستانِ ازل
حذر ای پردگیان پرده دری پیدا شد
آرزو بی خبر از خویش به آغوشِ حیات
چشم وا کرد جهانِ دگری پیدا شد
زندگی گفت که در خاک تپیدم همه عمر
تا از این گنبد دیرینه دری پیدا شد

علامہ اقبال کے فارسی کلام ''میلادِ آدم''
کا منظوم اردو مفہوم

عشق بولا چیخ کر خونیں جگر پیدا ہوا
کانپ اٹھا حسن اک صاحب نظر پیدا ہوا
آیا فطرت کو یہ غصہ عالمِ مجبور سے
ایک خود گر، خود شکن اور خود نگر پیدا ہوا
یہ خبر پہنچی شبستان ازل کو دہر سے
پردہ دارو اب ڈرو اک پردہ در پیدا ہوا
زندگی کی گود میں تھی خود سے بیخود آرزو
جب ہوئی بیدار اک عالم دگر پیدا ہوا
زندگی بولی زمیں پر تپ رہی تھی عمر بھر
گنبدِ دیرینہ میں تب جا کے در پیدا ہوا

علامہ اقبالؔ کے فارسی قطعہ و شعر کا منظوم اردو ترجمہ

قطعہ فارسی: علامہ اقبال

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

منظوم اردو ترجمہ: احمد علی برقیؔ اعظمی

بزم آرائی لبِ ساحل نہ کر
ہے نوائے زندگی مدھم وہاں
کر تلاطم خیز موجوں سے نبرد
کشمکش میں ہے حیات جاوداں

سخن درشت مگو، در طریق یاری کوش
کہ صحبتِ من و تو در جہاں خدا ساز است
شاعرِ مشرقؒ علامہ اقبالؔ

زباں درازی نہ کر دوستی کی کوشش کر
خدا نے ہم کو بنایا ہے دوستی کے لئے
ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی

غزل فارسی

هستم در انتظارِ تو ای جانِ من بیا
ای رشکِ گلعذار بیا در چمن بیا در چمن بیا
دامن کشاں مرو زِ دلِ بیقرارِ من
با صد خرامِ نازچو سر و و سَمن بیا
صبر آزما است درِ شبِ هجرم فراقِ تو
ای آنکه دوست دارمت از جان و تن بیا
هستم د چارِ گردشِ آشوبِ روزگار
زاں پیشتر نهفته شوم در کفن بیا
ناگفتنی است آنچه که گذرد به حالِ من
سوزِ دروں شنیده غریب الوطن بیا
روزیکه زیرِ سایهٔ زلفت گذشته است
همراه خود به خوشبوی مُشکِ خُتَن بیا
برقیؔ برای دیدنِ تو جان بلب شده
تو هم برای دیدنم ای گُلبدن بیا

غزل فارسی

تو مثلِ شاہ ھستی من گدایم
خدارا گوش کن این التجایم
شدم بیخود زِ خود با دیدنِ تو
چہ گویم من نمی دانم کجایم
وجود خویش را کردم فراموش
ازآ ن روزی کہ با تو آشنایم
مئے عرفان چشیدہ از نگاھت
سرودِ عارفانہ می سرایم
من این دردِ دلم را با کہ گویم
مسیحای زمان ھستی برایم
زِ لطفت محرمِ اسرار گشتہ
ببینم آنچہ را در زیر پایم
شرابِ معرفت بر من اثر کرد
شود برقیؔ ازآن سرشار دایم

داستان جاں نثاری داستان کربلاست

داستان دلفگاری داستان کر بلاست
ارمغان جان نثاری ارمغان کر بلاست
آنچہ را دادہ حسین ابن علی با ذوق و شوق
در وغا طاعت گذاری امتحان کربلاست
آنچنان در خاک و خون غلتیدہ ابن بوتراب
مبتلای آہ و زاری نوحہ خوان کربلاست
مرد و زن پیر و جوان را داشتہ ہفتاد و دو
کاروان جانسپاری کاروان کربلاست
از زبان واعظ شیرین بیان ناگفتنی است
حاکی از رنج و عزاداری بیان کربلاست

یادِ رفتگاں

بیادِ ہردلعزیز سابق صدرِ جمہوریہ ہند

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام

(تاریخ تولد: ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۳ رامیشورم۔ تاریخ وفات: ۲۷ جولائی ۲۰۱۵ شیلانگ)

آج ہی پیدا ہوئے تھے اے پی جے عبدالکلام
پندرہ اکتوبر آیا لے کے خوشیوں کا پیام
ہو گئی ہے آج کی تاریخ مختص اُن کے نام
جن کی عملی زندگی تھی مرجعِ ہر خاص و عام
اپنے طرزِ کار سے تھے وہ دلوں پر حکمراں
اُن کا ابنائے وطن کرتے ہیں بیحد احترام
خود بھی تھے آراستہ وہ زیورِ تعلیم سے
اشہبِ سائنس کی تھی اُن کے ہاتھوں میں لگام
چاہتے تھے اس لئے وہ ٹکنا لوجی کا فروغ
تا کہ ہو فکر و عمل کا اس سے مستحکم نظام
ملک و ملت کی ترقی ان کا نصب العین تھا

جاری و ساری رہے گا ان کا یونہی فیضِ عام
کام سے تھے اپنے وہ سارے جہاں میں سربلند
عالمی تاریخ میں روشن رہے گا ان کا نام
نونہالانِ وطن سے ان کو تھا بیحد لگاؤ
اُن کی شفقت سے سبھی چھوٹے بڑے تھے شادکام
تھے وہ صدرِ مملکت اس ملک کے ہردلعزیز
''با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام''
کرتے کرتے ناگہاں تقریر رخصت ہوگئے
جنت الفردوس میں ان کو ملے اعلیٰ مقام
خاکساری کا تھی پیکر ان کی عملی زندگی
پیش کرتا ہے اُنہیں احمد علی برقیؔ سلام

☆

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے
سانحۂ ارتحال پر منظوم تاثرات

ہوگئے رخصت جہاں سے آج سالم قاسمی
مظہرِ حُسنِ عمل تھی جن کی عملی زندگی
ضوفگن تھی اُن کے دم سے محفلِ دارالعلوم
تھے چراغِ قاری طیب کی وہاں وہ روشنی
تشنگانِ علم جو کرتے تھے اُن سے کسبِ فیض
کررہے ہیں اُن کی وہ محسوس شدت سے کمی
مٹ نہیں سکتے کبھی ان کے نقوشِ جاوداں
کم نہ ہوگا تاقیامت ان کا فیض معنوی
اپنے شاگردوں کے تھے وہ درمیاں ہردلعزیز
اب وہ دیں گے کس کے در پر جا کے اپنی حاضری
ان کی صحبت میں جنھیں ملتا تھا روحانی سکوں
ہوگئی ہے آج غائب ان کے ہونٹوں سے ہنسی

آج مسلم پرسنل لا بورڈ بھی ہے غمزدہ
اُن کے ارشادات کی جو کررہا تھا پیروی
ان کے غم میں ہیں سبھی علماء و فضلاء سوگوار
ہر طرف سوزِ دروں سے چھائی ہے افسردگی
تھے وہ اپنے عہد کے قومی و ملی رہنما
درحقیقت شخصیت تھی ان کی برقیؔ عبقری

بیادِ ممتاز عالم دین اور ہمہ جہت خوبیوں کے حامل باکمال خطیب وملی

وسیاسی رہنما،ممبر پارلیمنٹ وبانی آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

جناب مولانا محمد اسرار الحق قاسمی مرحوم

تاریخ وفات: ۷ دسمبر ۲۰۱۸

مولانا اسرارالحق کی اپنی الگ تھی اک پہچان
اُن کے پیشِ نظر رہتا تھا قومی اور ملی رجحان
ملی مسائل پر ان کے رشحات قلم ہیں وردِ زباں
یاد رہیں گے اہلِ وطن کو اُن کے کارِ عظیم الشان
اُن کے سیاسی اور اصلاحی کالم تھے بیحد مقبول
تا دمِ مرگ تھا اُن کے فلاحی کاموں کا جاری فیضان
قومی مسائل پر لکھتے تھے اردواخبارات میں جو
رکھیں گے ان کی یاد کو زندہ اُن کے مضامیں کے عنوان
رکن تھے قومی اور ملی تنظیموں کے وہ اک فعال
اس بحرانی دور میں ان کی رحلت ہے ملی نقصان
کرتے تھے ابنائے وطن کی خدمت وہ حتی المقدور
عہدِ رواں کے ایک فرشتہ خصلت تھے ، برقیؔ انسان

اردو ادب کی شان تھے مشتاق یوسفی

اردو ادب کی شان تھے مشتاق یوسفی
اردو کے ترجمان تھے مشتاق یوسفی
طنز و مزاح میں نہ تھا ان کا کوئی جواب
اردو میں جس کی جان تھے مشتاق یوسفی
خوانِ ادب پہ سب کی ضیافت تھا جن کا طرز
اک ایسے میزبان تھے مشتاق یوسفی
تھے جس کی زد میں عہدِ رواں کے ستم ظریف
اُس طنز کی کمان تھے مشتاق یوسفی
خود کو سمجھ رہا ہے ادب میں یتیم جو
اک ایسا خاندان تھے مشتاق یوسفی
ان کی نگارشات ہیں عالم میں انتخاب
خوش فکر و خوش بیان تھے مشتاق یوسفی
جس کے بغیر ادھورا ہے عصری ادب کا ذکر

اک ایسی داستان تھے مشتاق یوسفی
جانے کے بعد دُھنتے ہیں اُن کے وہ اپنا سر
وہ جن کے سائبان تھے مشتاق یوسفی
چہرہ تھے اک عظیم وہ برِ صغیر کا
برقیؔ کے ہم زبان تھے مشتاق یوسفی

☆

عہدِ حاضر کے ممتاز اور بیدار مغز صحافی کلدیپ نیر کے سانحۂ ارتحال پر منظوم تاثرات

تاریخ وفات: ۲۳ اگست ۲۰۱۸

شخصیت کلدیپ نیر کی تھی اک تاریخ ساز
رہتی دنیا تک کرے گا ہر صحافی جن پہ ناز
عہدِ حاضر میں تھے وہ اردو صحافت کا ستون
اس صحافی کی صحافت کو تھا حاصل امتیاز
نبضِ دوراں پر بہت مضبوط تھی اُن کی گرفت
اُن کی ہر تحریر تھی سود و زیاں سے بے نیاز
اُن کے رشحاتِ قلم تھے ایک ایسا آئینہ
مُنعکس ہوتا تھا جن میں زندگی کا سو ز و ساز
عمر بھر تھا اُن کا حق گوئی و بیباکی شعار
تھا اسی میں اُن کی مُضمِر عالمی شہرت کا راز
گنگا جمنی ہند کی قدروں کے تھے وہ پاسباں
کرتے تھے وہ پیار سب سے مثلِ محمود و ایاز
مِٹ نہیں سکتے کبھی اُن کی صحافت کے نقوش
تھے وہ برقیؔ اعظمی قول و عمل میں پاکباز

☆

بیاد علامہ شبلی نعمانی (بمناسبت یوم تولد)

شبلی کا یومِ تولد چار جون
اردو کی تاریخ میں ہے یادگار
زیبِ تاریخ جہاں ہے اُن کا نام
ضوفشاں ہیں اُن کے ادبی شاہکار
تھے دیارِ شرق کی وہ آبرو
شہرِ اعظم گڈھ ہے اُن سے باوقار
موضعِ بندول ہے اُن کی زادگاہ
شخصیت ہے اُن کی فخرِ روزگار
ان کے رشحاتِ قلم ہیں دلپذیر
ہے عروسِ فکر و فن جن پر نثار
اُن کی ہے ''شعرالعجم'' تاریخ ساز
سیرتِ نبوی ہے وجہہِ افتخار
ان کی ''المامون'' و ''الفاروق'' سے
ہے قلم کا اُن کے جوہر آشکار

ہیں نشاطِ روحِ اربابِ نظر
اُن کے نخلِ زندگی کے برگ و بار
جملہ اقصائے جہاں میں آج بھی
کارناموں سے ہیں اپنے نامدار
تھے رفیقِ کار سرسید کے وہ
جن کو حاصل ہے جہاں میں اعتبار
تھے وہ تحریکِ علی گڈھ کے ستون
جس کی ہے بنیاد اب بھی پایدار
اُن کی عصری معنویت آج بھی
ہے جہانِ علم و فن میں برقرار
شبلی نعمانی تھے برقیؔ اعظمی
کشورِ شعر وادب کے تاجدار

☆

یومِ سرسید کی مناسبت سے منظوم خراجِ عقیدت

قوم کے رہنما تھے سرسید
فخرِ دانشوراں تھے سرسید
خود میں اک انجمن تھی اُن کی ذات
شمعِ اردو زباں تھے سرسید
جس سے ہے ضوفشاں جہانِ ادب
ایسی اک کہکشاں تھے سرسید
پھونک کر روحِ زندگی اس میں
جسمِ ملت کی جاں تھے سرسید
وہ علی گڈھ ہو یا کہ غازی پور
ان کی روحِ رواں تھے سرسید
ہے رواں اُن کا ''چشمۂ رحمت''
ایک مدت جہاں تھے سرسید
اب بھی ہے جو رواں دواں ہرسو
ایسا اک کارواں تھے سرسید
اُن کو مانیں نہ مانیں بھارت رتن
شانِ ہندوستاں تھے سرسید
ویسے ہی ضوفشاں ہیں وہ برقیؔ
جس طرح ضوفشاں تھے سرسید

بیادِ محسن ملک وملت سر سید احمد خان

ارفع و اعلیٰ تھی سرسید کی ذات
کار آمد جن کی تھیں فکری جہات
کچھ نہیں معلوم ہم ہوتے کہاں
ہوتا گر شامل نہ ان کا التفات
ہم کو دکھلائی صراطِ مستقیم
چاک کرکے پردہ ہائے ممکنات
تھے وہ اپنے آپ میں اک انجمن
جن کی اک شمع فروزاں تھی حیات
جاری و ساری ہے ان کا فیضِ عام
کرنہیں سکتا بیاں جن کی صفات
خلد میں درجات ہوں ان کے بلند
رنج و غم سے دے خدا ان کو نجات
شخصیت تھی ان کی برقیؔ عہد ساز
زیبِ تاریخ جہاں ہے اُن کی ذات

☆

معروف صحافی سہیل انجم کے برادرِ بزرگ حماد انجم مرحوم

کے سانحۂ ارتحال پر منظوم تاثرات

چل بسے حماد انجم چھوڑ کر دنیائے دوں
دے گئے داغ، جدائی، چشمِ پُرنم، اشکِ خوں
مرگِ عالم ،مرگِ عالَم سب کے ہے وردِ زباں
ان کی رحلت کی خبر ہے باعث سوزِ دروں
مثنوی ہو، نظم ہو، سیرت نگاری یا غزل
ان کی اردو شاعری ہے اوجِ رفعت کا فسوں
پیش کرتا ہوں سہیل انجم کو اپنی تعزیت
صدمۂ جانکاہ ان کا میں بیاں کیسے کروں
مردِ میداں وکالت بھی تھے وہ ہردلعزیز
روح کو بخشے خدا فردوس میں ان کی سکوں
پانچ مطبوعہ کتب ہیں آج ان کی یادگار
ان کے طرزِ فکر کا جن سے نمایاں ہے فسوں
دس کتابیں دے رہے تھے اور بھی ترتیب وہ
کتنے اوصافِ حمیدہ ان میں تھے میں کیا لکھوں
تھا مثالی ان کا برقی اعظمی حسنِ عمل
سر میں ان کے خدمتِ خلقِ خدا کا تھا جنوں

آصفہ کی موت عصری کرب کی ہے داستاں

آصفہ کی موت عصری کرب کی ہے داستاں
عالمِ انسانیت ہے سن کے جس کو نوحہ خواں
ہیں وہ وحشی اور درندوں سے بھی بدتر بدنہاد
دے رہے ہیں مجرموں کا ساتھ جو قانون داں
آٹھ سالہ بچی کی عصمت دری پر ہیں جو چُپ
ہوں گی اُن کے پاس بھی اپنی چہیتی بیٹیاں
ڈوب جائیں جاکے چُلو بھر وہ پانی میں کہیں
سینکتے ہیں اس پہ جو اپنی سیاسی روٹیاں
جن کے سینے میں دھڑکتا ہے دلِ درد آشنا
آج ہیں اِس صدمۂ جانکاہ سے وہ نیم جاں
دیکھئے مِت ہندو و مُسلم کی عینک سے اسے
جان سے ہوتی ہیں پیاری سب کو اپنی بچیاں
ہوسکے تو کیجئے سنجیدگی سے اس پہ غور
میں نہیں کہتا مِلائیں آپ میری ہاں میں ہاں
اپنے ہم وطنوں سے برقیؔ کی یہی ہے التجا
ساتھ دیں اک دوسرے کا بھول کر سب تلخیاں

☆

بیادِ قیصر صدیقی سمستی پوری مرحوم

تاریخ وفات: ۴ ستمبر ۲۰۱۸

نہیں رہے قیصر صدیقی تھے جو سمستی پور کی شان
جن کی تھی دنیائے ادب میں سب سے الگ اپنی پہچان
ہیں تاریخ ادب کی زینت ان کی نظمیں اور غزلیں
شاید ہی ادبی دنیا میں ہو ان سے کوئی انجان
ٹی سیریز میں مل جائیں گے ان کے صدہا اردو گیت
وردِ زباں قوالوں کے ہے ان کی غزلوں کا دیوان
جن میں رہتے تھے اکثر وہ سب کی توجہ کا مرکز
ہوگئی محفلِ شعر وسخن وہ ان کے جانے سے سنسان
گنگا جمنی قدروں کو اس دور میں وہ دیتے تھے فروغ
رکھتے تھے ملحوظ ہمیشہ سب کے ذوق کا وہ سامان
کرتے تھے سب کی دلجوئی جو بھی ان سے ملتا تھا
اسی لئے مداح ہیں ان کے بچے بوڑھے اور جوان
انسانی قدروں کو بناتے تھے اپنا موضوعِ سخن
ان کی کتاب زیست کا برقیؔ ہے بیحد دلکش عنوان

☆

بیادِ پروفیسر وہاب اشرفی مرحوم

تاریخ وفات: ۱۵ جولائی ۲۰۱۲

وہاب اشرفی اردو ادب میں تھے ممتاز
رہے گا اہلِ قلم کو ہمیشہ جن پر ناز
تھی اُن کی طبعِ رسا ان کی فکر کی غماز
وہ اپنے عہد کی نقد و نظر میں تھے آواز
طویل ان کی کتابوں کی ایک ہے فہرست
ملے تھے جن کی بدولت انھیں کئی اعزاز
خدا نے ان کو عنایت کیا تھا ذہنِ رسا
تھا ان کی طرزِ نگارش کا منفرد انداز
خلا یہ ایسا ہے مشکل ہے جس کا پُر ہونا
ہے طبعِ اہلِ قلم ان کی موت سے ناساز
تھے اپنے آپ میں اک انجمن سجائے ہوئے
جہانِ اردو کی وہ شخصیت تھے مایۂ ناز
جہاں میں نام تھا ان سے بہار کا روشن
عیاں ہے ان کے مضامیں سے ذہن کی پرواز

☆

بیادِ انور سجاد مرحوم

تھے دنیائے ادب کی زینت جو انور سجاد
رکھیں گے ان کے افسانے ان کی زندہ یاد
عصری کرب کا آئینہ ہیں ان کے سبھی کردار
جو ''چوراہا'' افسانے میں کرتے ہیں فریاد
عصری ادب کا منظرنامہ ہے ''خوشیوں کا باغ''
چاہتے تھے وہ اس ناول میں کوئی نہ ہو ناشاد
ان کے جانے سے کہتے ہیں اُجڑ گیا ''خوشیوں کا باغ''
دیتے تھے سب دیکھ کے جس کو ان کو مبارکباد
''جنم روپ'' اور ''سنگ'' ہیں ان کے دو ناول مشہور
ان میں بھی ہے ارمانوں کا ایک جہاں آباد
اردو کی ادبی دنیا میں تھے وہ بہت مقبول
زورِ قلم کی دیتے تھے اربابِ بصیرت ان کے داد
چھوڑ گیا احباب کو اپنے آج کا وہ ادبی چہرہ
صفحۂ ذہن سے محو نہ ہوگی جس کی ان کے یاد

ناول اور افسانوں کی صورت میں ہے جو محفوظ
ان کا ادبی سرمایہ ہوگا نہ کبھی برباد
ہوگئی گُم افسانوں کی وہ ایک نئی آواز
سن کر جس کو ہو جاتے تھے پڑھنے والے شاد
قایم و دایم رہے گا برقیؔ ان کا وہ اسلوب
خونِ جگر سے اپنے جس کی ڈالی تھی بنیاد

☆

بیادِ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم

تاریخ وفات ۱۶ اگست ۱۹۶۱

کر رہا ہوں پیش میں بابائے اردو کو سلام
اُن کے علمی کارنامے آج ہیں نقشِ دوام
تھے وہ اپنے عہد کی اِک شخصیت تاریخ ساز
اردو کی تاریخ میں روشن رہے گا اُن کا نام
ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں اُن کی عظمت کے نشاں
قایم و دایم رہے گا اُن کا تُزک و احتشام
گلشنِ اردو میں اُن کی ذات تھی مثلِ بہار
اُن کا اربابِ نظر میں ہے بہت اعلیٰ مقام
فکر و فن، اردو لغت، تنقید، تاریخِ ادب
کون سی وہ صنف ہے جس میں نہیں ہے اُن کا نام
اُن کے علمی کارناموں کے سبھی ہیں معترف
اُن کی ادبی شخصیت ہے لایقِ صد احترام
اُردو کی ترویج میں سرگرم تھے وہ عمر بھر
تھا یہی اُن کا مشن اور تھا یہی اُن کا پیام
گلشنِ اردو ادب سرسبز اور شاداب ہو
اِس سے بہتر اُن کی نظروں میں نہیں تھا کوئی کام
مٹ نہیں سکتے کبھی اُن کے نقوشِ جاوداں
جاری و ساری ہے برقیؔ اُن کا اب تک فیضِ عام

ممتاز ماہر قانون اور دہلی ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس

راجیندر راسچر کی برسی کی مناسبت سے منظوم خراجِ عقیدت

دادرس راجیندر سچر چل بسے
نامِ نامی جن کا ہے وردِ زباں
تھے وہ ماہر ایسے اک قانون داں
معترف ہے جن کی عظمت کا جہاں
تھے وہ ایسے ایک جسٹس حق پرست
داد خواہی کی تھے جو روحِ رواں
تھا عدالت ان کا فطری مشغلہ
تھے ستمدیدہ دلوں کے ترجماں
دیکھئے سچر کمیٹی کی رپورٹ
ہے جو ان کی حق بیانی کا نشاں
عہدِ حاضر کے تھے ایسے ایک جج
تھے دلوں پر جو سبھی کے حکمراں
تھے وہ اپنے کام سے ہردلعزیز
ان کا برقیؔ اعظمی ہے قدرداں

☆

بیادِ بیدار مغز سخنور و ادیب و معروف ناظم مشاعرہ

ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد مرحوم

تاریخ وفات: ۲۲ اپریل ۲۰۱۶

سپہرِ ادب کا وہ ماہِ تمام
ملک زادہ منظور تھا جس کا نام
نہیں آج تنہا ہوا وہ غروب
اب اک دور کا ہوگیا اختتام
تھا حاصل اسے سب پہ اوجِ شرف
جہانِ نظامت کا تھا وہ امام
اسے نظم اور نثر پر تھا عبور
ادب میں نمایاں تھا اس کا مقام
جو تھا رونقِ بزمِ شعر و ادب
وہ تھا عمر بھر مرجعِ خاص و عام
تھا تنقید کے اس کی زیرِ اثر
ہے عہدِ رواں کا جو فکری نظام

تھی گرویدہ اس کی عروسِ ادب
جو دیتا تھا مہر و وفا کا پیام
وہ تھا عہدِ حاضر کا بیدار مغز
تھا ترویج اردو میں جو پیشگام
ہے "رقصِ شرر" ایک تاریخ ساز
معاصر ادیبوں پہ اس کا یہ کام
رہیں گے ادیبوں کے وہ خضرِ راہ
گیا چھوڑ کر جو نقوشِ دوام
ہے بائیس اپریل کتنا نَحَس
لیا ہم سے کس بات کا انتقام
مٹے گا نہ برقیؔ مٹانے سے وہ
دلوں پر ہے جو نقش اس کا کلام

☆

بیادِ پروفیسر محمد حسن

محمد حسن تھے ادیب شہیر
نہیں جن کی اردو ادب میں نظیر
پچہتر کُتب ان کی ہیں یادگار
جہاں میں تھے نقد و نظر کے سفیر
ڈرامے ہوں ناول ہوں یا نقدِ شعر
سبھی کارنامے ہیں ان کے خطیر
جنھیں بھی ہے اردو ادب سے شغف
ثناخواں ہیں اُن کے صغیر و کبیر
ہے کتنوں کو یاد اُن کا یومِ وصال
محبانِ اردو ہیں یوں تو کثیر
تھا جے این یو کی شان ان کا وجود
کتابیں ہیں ان کی بہت دلپذیر
زبان و ادب پر انھیں تھا عبور
وہ ''عصری ادب'' کے تھے برقی مدیر

☆

نذرِ والدِ محترم رحمت الٰہی برقؔ اعظمی مرحوم

بمناسبت یوم وفات ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۳

میرے والد کا ہے روحانی تصرف میرا فن
دیکھ سکتے کاش ان کی آپ ''تنویرِ سخن''
گلشنِ شبلی میں اُن کی ذات تھی مثلِ بہار
اُن کے گلہائے سخن سے روح پرور تھا چمن
اُن کی شہرت بس فصیلِ شہر تک محدود تھی
راس آتا ہی نہ تھا اُن کو زمانے کا چلن
پاسداری فکر و فن کی تھی انہیں بیحد عزیز
تھے کلاسیکی روایت پر ہمیشہ گامزن
بندشِ الفاظ میں اُن کا نہ تھا کوئی جواب
شخصیت تھی ان کی برقؔ فخرِ ابنائے وطن

☆

نذرِ مادرِ مہربان مرحومہ محترمہ وحید النسا

والدہ میرے لئے تھیں میری فخرِ روزگار
جنت الفردوس میں بخشے خدا ان کو قرار
ماں سے بڑھ کر اس جہانِ رنگ و بو میں کچھ نہیں
ماں ہے صناعِ ازل کا ایک دلکش شاہکار
ماں کا ہے مرہونِ منت آج یہ میرا وجود
ماں تھی میری زندگی میں رحمتِ پروردگار
ماں ہی تھی گھر کے مرے شیرازہ بندی کا سبب
تھی وہ میری زندگی میں ایک نخلِ سایہ دار
کتنی راتیں جاگ کر کاٹی ہیں اس نے میرے ساتھ
کرنہیں سکتا کبھی میں عمر بھر اُن کا شمار
حقِ مادر کر نہیں سکتا کبھی کوئی ادا
ہے ضرورت یہ حقیقت ہو سبھی پر آشکار
جن کی ماں زندہ ہے کرلیں اُس کی خدمت ورنہ پھر
ہوں گی کل میری طرح اُن کی بھی آنکھیں اشکبار
ماں تھی اک گہوارۂ امن و سکوں میرے لئے
ہے متاعِ زندگی برقیؔ مری ماں پر نثار

☆

نذر مولانا ابوالکلام آزاد

شخصیت آزاد کی تھی مرجعِ اہلِ نظر
اُن کو حاصل تھا جہاں میں عز و جاہ و کر و فر
ہے ''غبار خاطر'' ان کے فکر و فن کی ترجماں
ان کے رشحاتِ قلم ہیں مظہر علم و ہنر
اُن کی عظمت کے مشاں ہیں ''الہلال'' و ''البلاغ''
جن میں ہیں اردو صحافت کے سبھی لعل و گہر
''ترجمان القرآں'' ہے ان کی بصیرت کی گواہ
اُن کی اردو، فارسی، عربی پہ تھی گہری نظر
شخصیت پر ان کی ہے اقبال کا صادق یہ قول
ہوتے ہیں پیدا بڑی مشکل سے ایسے دیدہ ور
اُن کی تقریروں سے عصری آگہی ہے ہمکنار
اُن کی تحریں ہیں اک آئینہ نقد و نظر
اُن کا ہے مرہونِ منت اپنا تعلیمی نظام

ملک میں ہیں ہر طرف آثار جس کے جلوہ گر
آج ''مانو'' ان کے خوابوں کی حسیں تعبیر ہے
جاری و ساری ہے جس کا سب پہ فیضانِ نظر
ان کی اِن خدمات کا کوئی نہیں نعم البدل
در حقیقت ہیں وہ نخلِ علم و دانش کا ثمر
زیب دیتا ہے امام الہند کا ان کو خطاب
چشمِ عالم نے نہ دیکھا ہوگا ایسا دیدہ ور
اس صدی کی تھے وہ برقی شخصیت تاریخ ساز
اُن کا فن آئینۂ ایام میں ہے جلوہ گر

☆

یادِ شہرۂ آفاق سخنور بیکلؔ اُتساہی مرحوم

تاریخ وفات: ۳ دسمبر ۲۰۱۶

نہیں رہے بیکلؔ اُتساہی بجھ گئی شمعِ شعروسخن
اہلِ نظر کو یاد رہے گا اُن کا شعورِ فکر و فن
اردو، ہندی اور اودھی میں ان کا ہے پُرکیف کلام
اُن کی نعتوں اور غزلوں میں رواں تھی موجِ گنگ وجمن
اردو کے گلزارِ سخن میں ذات تھی ان کی مثلِ بہار
سوگ میں اُن کے خزاں دیدہ ہیں برگ وشجر اور سرو وسمن
نام سے اُن کے وابستہ تھا پدم شری کا بھی اعزاز
اُن کی کمی محسوس کریں گے اُن کے سبھی ابنائے وطن
ہیں اقصائے جہاں میں ان کے چاروں طرف جتنے مداح
سوزِ دروں سے کرتے ہیں محسوس وہ پیہم ایک چُبھن
تھا جو سپہرِ ادب پہ فروزاں ایک ستارہ ٹوٹ گیا
اُن کا کلام ہے ایسا درخشاں جیسے ہو روشن دُرِّ عدن
اُن کا ترنم کردیتا تھا محفل میں سب کو مسحور
یاد آتا تھا سن کر برقیؔ جس کو جگرؔ کا طرزِ کُہن

بیادِ جمیل جالبی مرحوم

تاریخ وفات: ۱۸ اپریل ۲۰۱۹

تھے جمیل جالبی ملکِ ادب کے تاجدار
جن کی تخلیقات ہیں عصری ادب کا شاہکار
ان سے جے این یو میں ملنے کا شرف حاصل ہوا
لوحِ دل پر مُرتسم ہے جس کی اب بھی یادگار
جملہ اصناف ادب پر ان کے رشحاتِ قلم
ندرتِ فکر و نظر کے ان کی ہیں آئینہ دار
معترف خدمات کے ہیں ان کی ارباب نظر
ان کے ہیں مداح اقصائے جہاں میں بیشمار
ان کی"تاریخ ادب اردو" ہے گنجِ شائیگاں
ان کی تخلیقی بصیرت ہے سبھی پر آشکار
ان کی معیاری کتب ہیں زیبِ تاریخ ادب
گلشنِ اردو میں ان کی ذات تھی مثلِ بہار
ہے "نئی تنقید" ان کی مرجعِ دانشوراں
بحرِ ذخارِ ادب کی ہے جو دُرِّ شاہوار
صدمۂ جانکاہ ہے سب کے لئے ان کی وفات
ان کی رحلت سے ہے برقیؔ اعظمی بھی سوگوار

بیادِ استادِ ارجمند پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی مرحوم

مرجعِ دانشورانِ عصر اظہر دہلوی
ضوفشاں تھی جن کے دم سے شمعِ بزمِ فارسی
شخصیت تھی ان کی اپنے آپ میں اک انجمن
جس کی بزم آرائیوں کی ہر طرف تھی روشنی
تھے وہ سرگرمِ عمل ترویجِ علم و فضل میں
تھی مثالی ان کی علمی اور عملی زندگی
آج میں جو کچھ ہوں وہ ہے ان کا فیضانِ نظر
ان کا فیض تربیت ہے میری عصری آگہی
ان کا ہے مرہونِ منت میرا دہلی میں قیام
فرطِ غم سے ہو گئی مفقود ہونٹوں سے ہنسی
بھیجا تھا ایران مجھ کو یہ میں کیسے بھول جاؤں
فارسی میں میری پی ایچ ڈی کے گائڈ تھے وہی
''آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے''
جنت الفردوس میں حاصل ہو روحانی خوشی
لوح دل پر نقش ہیں ان کی محبت کے نقوش
سر بسر تصویر غم ہے آج برقیؔ اعظمی

☆

بیادڈاکٹرخلیق انجم مرحوم

تاریخ وفات: ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۶

تھے خلیق انجم ادیب خوش بیاں
اب نہیں ہیں جو ہمارے درمیاں
عمر بھر تھے مرجعِ دانشواں
تھے وہ عملاً ناشرِ اردو زباں
ان کی ہیں معروف بزم آرائیاں
بزمِ اردو کی تھے وہ روح رواں
شہر دہلی میں تھے اڑتیس سال تک
مستقل وہ اردو گھر کے پاسباں
یاد آئیں گے وہ اہلِ ذوق کو
جن کے رشحاتِ قلم ہیں جاوداں
زیب تاریخ ادب ہیں اُن کے کام
معترف ہے ان کی عظمت کا جہاں
دہلی کی تاریخ پر ان کی کُتُب
آج بھی ہیں مرجعِ دیدہ وراں
اُن کی ہیں اَسی کتابیں یادگار
جن کا برقیؔ اعظمی ہے قدرداں

☆

بیادرفعت سروش مرحوم

تاریخ ولادت ۱۸ اپریل و وفات ۳۰ نومبر ۲۰۰۸

ریڈیو کی شان تھے رفعت سروش
جس کی اک پہچان تھے رفعت سروش
اردو مجلس کا تھے اس کی وہ وقار
زندہ دل انسان تھے رفعت سروش
ان کے ہیں مداح اربابِ نظر
شانِ ہندوستان تھے رفعت سروش
ان کی ستاسی کُتب ہیں یادگار
زندہ دل انسان تھے رفعت سروش
تھے وہ اپنی ذات میں اک انجمن
شاعرِ ذیشان تھے رفعت سروش
ان کا آبائی وطن بجنور تھا
جس کی آن اور بان تھے رفعت سروش
زیبِ تاریخِ ادب ہے جن کا نام
وہ عظیم الشان تھے رفعت سروش
جن کی ہیں شاہینہ خاں لختِ جگر
اُن کے ابو جان تھے رفعت سروش
یاد کرتا ہے انہیں اے آئی آر
جس کی برقیؔ جان تھے رفعت سروش

بیادِ زہیر انور مرحوم

تاریخِ وفات: ۲۰ مئی ۲۰۱۸

تھے زہیر انورؔ جو، جے این یو میں میرے سرپرست
اُن کی رحلت کی خبر میرے لئے ہے دلفگار
اپنے مشفق اور مربی کو میں کیسے بھول جاؤں
ایک مدت تک وہاں تھے میرے یارِ غمگسار
میرے والد کو بھی تھا اک اُن سے روحانی لگاؤ
ان پہ نازل ہو ہمیشہ رحمتِ پروردگار
ان کے ورثا کے ہوں غم میں میں برابر کا شریک
میں بھی ان کی طرح ہوں سوزِ دروں سے سوگوار
صدمۂ جانکاہ ہے میرے لئے ان کی وفات
آتے آتے آئے گا اب قلبِ مضطر کو قرار
ماہِ رمضاں میں گئے وہ جنت الفردوس میں
روح کو ان کی ملے برقیؔ وہاں ابدی قرار

☆

جے این یو میں زمانۂ طالب علمی میں اپنے محسن و مربی

ڈاکٹر ظہور الباری مرحوم سابق پروفیسر شعبہ عربی، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی نئی دہلی کے سانحۂ ارتحال پر منظوم تاثرات

میرے محسن تھے ظہور الباری
جن کا فیضان تھا مجھ پر جاری
منحصر اُن پہ تھا میرا سب کچھ
زندگی مجھ پہ تھی ورنہ بھاری
جو بھی ہوں اُن کی بدولت میں ہوں
یہ اُنھیں کی ہے محبت ساری
سرپرستی میں اُنھیں کی میں تھا
اُن کی سیرت تھی نہایت پیاری
اُن کے جانے کا اثر ہے اتنا
ہے مرے قلب پہ رقت طاری
میں تھا جے این یو میں جب تک برقیؔ
اُن کی تھی مجھ پہ نوازش جاری

☆

بیاد مولانا انیس احمد اصلاحی

میرے محسن اور مربی تھے جو مولانا انیس
کر کے رخصت ہوگئے دنیائے دل زیر و زبَر
تھے وہ جے این یو میں برسوں میرے مخلص سرپرست
میں ہوں جو کچھ آج وہ ہے اُن کا فیضانِ نظر
تھے دیارِ غیر میں میرے لئے وہ خضرِ راہ
باعثِ سوزِ دروں ہے اُن کی رحلت کی خبر
ان کے احسانات کا کوئی نہیں نعم البدل
جس سے ہو سکتا نہیں عہدہ برآ میں عمر بھر
کرتے تھے سب کی مدد سود و زیاں سے بے نیاز
تھے مصیبت میں سبھی کے دردِ دل کے چارہ گر
آسماں اُن کی لحد پر شبنم افشانی کرے
جنت الفردوس میں ہوں فضلِ حق سے بہرہ ور
لوحِ دل پر نقش ہیں ان کی محبت کے نقوش
مظہرِ سوزِ دروں ہے میری برقیؔ چشمِ تر

☆

اردو دنیا کے ایک مایہ ناز ادیب و نقاد حقانی القاسمی کی دخترِ نیک اختر انیقہ کے اچانک سانحہ ارتحال پر اظہارِ تعزیت

دختر معصوم حقانی انیقہ چل بسی
بجھ گئی چشم زدن میں اس کی شمع زندگی
صدمہ جانکاہ ہے اس کی یہ رحلت کی خبر
اپنے تھی ماں باپ کی جو ایک بیٹی لاڈلی
دو ستمبر زندگی کا ان کی ہے تاریک دن
چھا گئی ہے سامنے آنکھوں کے جس سے تیرگی
اس کے اہل خانداں کو دے خدا صبر جمیل
چھین لی ہے آج اس نے جن کے ہونٹوں سے ہنسی
اردو دنیا ان کے غم میں ہے برابر کی شریک
سر بسر تصویر غم ہے آج برقی اعظمی

بیادِ محسن رضا جونپوری مرحوم

شاعرِ شیوا بیاں محسن رضا
مرجعِ دانشوراں محسن رضا

عندلیبِ گلشنِ شیرازِ ہند
طوطئ شکر فشاں محسن رضا

اپنے طرزِ کار و حسنِ خُلق سے
تھے دلوں پر حکمراں محسن رضا

اپنے فکر و فن سے تھے ہردلعزیز
نازشِ ہندوستاں محسن رضا

''زخمہ'' ہے مجموعۂ اشعار وہ
جس کی تھے روحِ رواں محسن رضا

تھے ''نگارِ طیبہ'' کے انوار کی
ایک شمعِ ضوفشاں محسن رضا

تھے وہ برقیؔ افتخارِ جونپور
فن کی عظمت کے نشاں محسن رضا

بیادِ شوکت کیفی:

فی البدیہہ منظوم تاثرات

تاریخِ وفات: ۲۲ نومبر ۲۰۱۹

ہے یہ شوکت کیفی کی جانسوز رحلت کی خبر
فیلم اور تھیٹر کی تھیں اک شخصیت جو نامور
تھیں وہ کیفی اعظمی کی زندگی کا ایک جزو
تھے جو دنیائے ادب کا ایک چہرہ معتبر
دونوں کا دنیائے اردو میں نمایاں ہے مقام
اپنے فکر و فن سے تھے جو مرجع اہلِ نظر
ان کے سینے میں دھڑکتا تھا دلِ درد آشنا
تھیں ستم دیدہ دلوں کے دردِ دل کی چارہ گر
شہر اعظم گڈھ کا روشن کررہی تھیں نام وہ
ہے جو دنیائے ادب کی سرزمینِ مفتخر
تھیں شبانہ اعظمی کی والدہ ہردلعزیز
جن کی یادوں کی بہت مقبول تھی وہ رہگذر
ہے نمایاں جس سے ان کی زندگی کا سوز و ساز
تھیں وہ برقیؔ اعظمی عہدِ رواں کی دیدہ ور

موضوعاتی نظمیں

پیش گفتار

ہیں یہ اشعار وقت کی آواز

نظم کا یہ صحافتی انداز
کیوں نہ اردو ادب میں ہو ممتاز
پیش گفتار ہے یہ اک منظوم
جو کہ ہے روحِ عصر کی غماز
آئینہ ہے یہ عصرِ حاضر کا
جس سے ظاہر ہے سب نشیب و فراز
کوئی ناشاد ہے کوئی ہے شاد
ہے کہیں سوز اور کہیں ہے ساز
ہے فضا آج اس قدر مسموم
جس سے لوگوں کا حال ہے ناساز
صنعتی پیشرفت کا یہ دور
ہے نظامِ جدید کا آغاز
اڑ رہے ہیں فضا میں سٹ لائٹ
آج سائنس کا ہے یہ اعجاز
لکھ رہا ہوں وہی میں اے برقی
جو ہے میرے ضمیر کی آواز

اوجِ تعلیم و ترقی کا نشاں ہے سائنس

عصرِ حاضر میں ہر ایجاد کی ماں ہے سائنس
آج منظور ہر اک پیر و جواں ہے سائنس

کوئی شعبہ نہیں جس میں نہ ہو سائنس کا دخل
روزِ روشن کی طرح سب پہ عیاں ہے سائنس

وقت کا ہے یہ تقاضا کہ پڑھیں سب اس کو
اوجِ تعلیم و ترقی کا نشاں ہے سائنس

کرہ ماہ پہ انسان نے رکھا ہے قدم
سوئے مریخ رواں اور دواں ہے سائنس

اس کی تحقیق سے روشن ہوئے حکمت کے چراغ
دافعِ تیرگیِ وہم و گماں ہے سائنس

آج دنیا سمٹ آئی ہے درونِ خانہ
ماحیِ فاصلۂ کون و مکاں ہے سائنس

دورِ حاضر میں نہیں اس کا کوئی بھی ہمسر
شعبدہ باز کہاں اور کہاں ہے سائنس

بہرہ ور ہیں سبھی فیضان سے اس کے برقیؔ
خدمتِ خلق کی اک جوئے رواں ہے سائنس

آج سب کی دشمن جاں ہے گلوبل وارمنگ

آج سب کی دشمن جاں ہے گلوبل وارمنگ
روز و شب آتش بداماں ہے گلوبل وارمنگ
زد میں ہیں اسکی ہمیشہ آب و آتش خاک و باد
آتش سیال و سوزاں ہے گلوبل وارمنگ
لوگ قبل از وقت مرگ فاجعہ کے ہیں شکار
داستانِ غم کا عنواں ہے گلوبل وارمنگ
آئی پی سی سی نے کر دی یہ حقیقت بے نقاب
سب کی بربادی کا ساماں ہے گلوبل وارمنگ
گرین ہاؤس گیس کا اخراج ہے سوہان روح
انقلاب نظم دوراں ہے گلوبل وارمنگ
برف کے تودے پگھلتے جا رہے ہیں مستقل
اک ہلاکت خیز طوفاں ہے گلوبل وارمنگ
ایک طوفان حوادث آ رہا ہے بار بار

شامت اعمال انساں ہے گلوبل وارمنگ
ہے پریشاں حال ہر ذی روح اس سے مستقل
دشمن انسان و حیواں ہے گلوبل وارمنگ
ہے دگرگوں آج کل ہر وقت موسم کا مزاج
ہر گھڑی اک خطرۂ جان ہے گلوبل وارمنگ
ہے خزاں دیدہ گلستاں مضمحل ہیں برگ و گل
غارت فصل بہاراں ہے گلوبل وارمنگ
ہر کوئی جس کے اثر سے کھا رہا ہے پیچ و تاب
ایک ایسی آفت جاں ہے گلوبل وارمنگ
جس کا ''پیمان کیوٹو'' سے ہی ہوگا سد باب
اجتماعی ایسا نقصاں ہے گلوبل وارمنگ
ہے ضرورت عالمی تحریک کی اس کے لئے
سوز و ساز باد و باراں ہے گلوبل وارمنگ
ہے عناصر میں توازن باعث نظم جہاں
ساز فطرت پر غزل خواں ہے گلوبل وارمنگ
جائے تو جائے کہاں نوع بشر احمد علی
جس طرف دیکھو نمایاں ہے گلوبل وارمنگ

ہے گلوبل وارمنگ عہد رواں میں اک عذاب

ہے گلوبل وارمنگ عہد رواں میں اک عذاب
جانے کب ہو گا جہاں سے اس بلا کا سد باب
گرین ہاؤس گیس سے محشر بپا ہے آج کل
جس کی زد میں آج ہے ''اوزون'' کا فطری حجاب
لرزہ براندام ہے نوع بشر اس خوف سے
اس کے مستقبل میں نقصانات ہونگے بے حساب
ہو نہ جائے منتشر شیرازۂ ہستی کہیں
IPCC نے کردی یہ حقیقت بے نقاب
باز آئیں گے نہ ہم ریشہ دوانی سے اگر
برف کے تودے پگھلنے سے بڑھے گی سطح آب
اس سے فطرت کے توازن میں خلل ہے ناگزیر
عرش سے فرش زمیں پر ہوگا نازل اک عتاب
ذہن میں محفوظ ہے اب تک سنامی کا اثر

ساحلی ملکوں میں ہے جس کی وجہ سے اضطراب
ایسا طوفان حوادث الامان و الحفیظ
نوعِ انساں کھا رہی ہے جس سے اب تک پیچ و تاب
ہو سکا اب تک نہ ''پیمان کیوٹو'' کا نفاذ
ہے ضرورت وقت کی اپنا کریں سب احتساب
آیئے احمد علی برقی کریں تجدید عہد
ہم کریں گے مل کے برپا ایک ذہنی انقلاب

آیئے مل کر منائیں عالمی اوزون ڈے

بڑھ رہا ہے گرین ہاؤس گیس سے ۔۔'اوزون ہول'
اب نہیں اخراج پر اس کے کسی کا کنٹرول
ہو رہی ہے اب فضا مسموم اس سے دن بہ دن
ہے اثر انداز ابنائے وطن پر ''ایروسول''
اس کی الٹراوائلٹ کرنیں مضر ہیں اس قدر
جسم کی خلیوں میں ہو جاتا ہے پیدا ان سے خول
کوئی ہے سرطان اور کوئی تنفس کا شکار
ہے اہم اس کا ''گلوبل وارمنگ ۔۔'' میں ایک رول
خود بچیں اس کے اثر سے اور لوگوں کو بچائیں
زندگی انمول ہے جس کا نہیں ہے کوئی مول
ہے اگر درکار حفظانِ صحت سب کے لئے
چاہئے سب کا بقائے باہمی ہو ایک گول
صرف باتوں سے نہیں ہو سکتا اس کا سد باب
ہوگا ''پیمان کیوٹو'' سے ہی اس پر کنٹرول
آیئے مل کر منائیں عالمی 'اوزون ڈے'
امنِ عالم کا ہے ضامن اتحاد اور میل جول
یونہی گر بڑھتی رہی برقی ''گلوبل وارمنگ''
اس کی گرمی سے پگھل جائے گا اک دن نارتھ پول

اوجِ تعلیم و ترقی کا نشاں ہے سائنس

عصر حاضر میں ہر ایجاد کی ماں ہے سائنس
آج منظور ہر اک پیر و جواں ہے سائنس
کوئی شعبہ نہیں جس میں نہ ہو سائنس کا دخل
روز روشن کی طرح سب پہ عیاں ہے سائنس
وقت کا ہے یہ تقاضا کہ پڑھیں سب اس کو
اوج تعلیم و ترقی کا نشاں ہے سائنس
کرہ ماہ پہ انسان نے رکھا ہے قدم
سوئے مریخ رواں اور دواں ہے سائنس
اس کی تحقیق سے روشن ہوئے حکمت کے چراغ
دافعِ تیرگیِ وہم و گماں ہے سائنس
آج دنیا سمٹ آئی ہے درون خانہ
ماحیِ فاصلۂ کون و مکاں ہے سائنس
دور حاضر میں نہیں اس کا کوئی بھی ہمسر
شعبدہ باز کہاں اور کہاں ہے سائنس
بہرہ ور ہیں سبھی فیضان سے اس کے برقی
خدمت خلق کی اک جوئے رواں ہے سائنس

عالمی سائنس ڈے سب کو منانا چاہیئے

ایک مرکز پر سبھی کو مل کے آنا چاہیئے
عالمی سائنس ڈے سب کو منانا چاہیئے
لوگ ہیں سائنس پڑھ کر کامیاب و با مراد
ہم کو بھی اپنا مقدر آزمانا چاہیئے
آج ہے سائنس ہی قفل سعادت کی کلید
ہر کسی کو فائدہ اس سے اٹھانا چاہیئے
جو بھی ہیں لہو و لعب کے عصرِ حاضر میں شکار
نغمہ سائنس ان کو گنگنانا چاہیئے
جس میں ہو انفارمیشن ٹکنولوجی کا ثمر
ہم کو نخلِ آرزو ایسا لگانا چاہیئے
فرض ہے تحصیل علم عصر از روئے حدیث
چین بھی جانا پڑے تو ہم کو جانا چاہیئے
تاکہ ہو شرمندۂ تعبیر سرسید کا خواب
علم کا ماحول اب ہم کو بنانا چاہیئے
افتخارِ ملک و ملت آج ہیں ۔۔" عبدالکلام"
ان کے ہی نقش قدم پر ہم کو جانا چاہیئے

جن کو حاصل ہے زمانے میں فضیلت علم سے
داستاں ان کی زمانے کو سنانا چاہیئے
'جامعہ ہمدرد' ہے ون مین شو کی اک مثال
یادگار ایسی زمانے میں بنانا چاہیئے
''ڈاکٹر ممتاز احمد خاں۔'' کی شمع ''الامین''
ایک مشعل ہے جسے ہر سو جلانا چاہیئے
کھولئے اس سے دریچہ اپنے ذہن و فکر کا
علم کا جوہر زمانے کو دکھانا چاہیئے
زینۂ اوجِ ترقی ہے یہی سب کیلئے
زیورِ تعلیم سے خود کو سجانا چاہیئے
ہے ضرورت وقت کی سائنس ہو جزوِ نصاب
خوابِ غفلت سے سبھی کو اب جگانا چاہیئے
چل رہا ہے کاروبارِ زندگی سائنس سے
اس سرودِ سرمدی کو سب کو گانا چاہیئے
ہے عروسِ علمِ حاضر سب کی منظورِ نظر
دل لگانا ہو تو اس سے دل لگانا چاہیئے
علم کی ترویج ہے ملی فریضہ اس لئے
اپنا فرضِ منصبی سب کو نبھانا چاہیئے
دے رہا ہے دعوتِ فکر و عمل احمد علی
اپنا جو کردار ہے سب کو نبھانا چاہیئے

ہے یہ تحقیق سماوی کا مشن تاریخ ساز

بھیج کر Phoenix کو مریخ پر با آب و تاب
ہوگیا اپنے مشن میں آج ناسا کامیاب
اب سے بتیس سال پہلے تھا وہاں اسپیس کرافٹ
سن چھہتر میں ہوئی تھی پہلی کوشش کامیاب
ہے نہایت شاد و خرم آج جے پی ایل کی ٹیم
ہے یہ اس کا اک مثالی کارنامہ لاجواب
ہے یہ تحقیق سماوی کا مشن تاریخ ساز
تیسری کوشش ہوئی ہے آج جس کی کامیاب
ہے یہ سرگرداں تلاش زندگی میں اب وہاں
جیسے تا حد نظر صحرا میں ہو کوئی سراب
ہیں مسخر ابن آدم کیلئے ماہ و نجوم
جس کا ہے قرآن میں واضح اشارہ بے حجاب
ہے ستاروں سے بھی آگے اک جہان بیکراں
اہل دانش کر رہے ہیں آج جس کو بے نقاب
ہے یہ اک احمد علی سائنس کا اوج کمال
جس سے ہے برپا جہاں میں ایک ذہنی انقلاب

آلودگی مٹائیں

مِل جل کے آیئے ہم ایسی فضا بنائیں
آلودگی کی جملہ اقسام کو مٹائیں
عصر جدید کی یہ سب سے بڑی ہے لعنت
نوعِ بشر کو اس سے ہر حال میں بچائیں
ہے 'کاربن' بکثرت، محدود 'آکسیجن'
'کلورین' کے اثر سے مسموم ہیں فضائیں
سب سے بڑی جہاں میں نعمت ہے تندرستی
ہر شخص کو توجہ اس بات پر دلائیں
ہے باعثِ سعادت خلقِ خدا کی خدمت
اب آیئے بخوبی اس فرض کو نبھائیں
ہو برقرار جس سے ماحول میں توازن
حسنِ عمل سے اپنے وہ کام کر دکھائیں
مدِ نظر ہو اپنے ہر حال میں توازن
تازہ ہوا میں گھومیں خالص غذائیں کھائیں
ہر چیز الغرض ہے آلودگی کی زد میں
ہے فرضِ عین اپنا اس سے نجات پائیں
اک بے حسی سی طاری ہے سب پر آج برقی
رودادِ عصرِ حاضر آخر کسے سنائیں

پیغام محبت کی زباں ہے اردو

پیغامِ محبت کی زباں ہے اردو
کِردار کی عظمت کا نشاں ہے اردو
شیرینئ گفتار کا سرچشمہ ہے
سرسبز و معطر ہے جہاں ہے اردو
پڑھنا ہے اگر غالبؔ و مومنؔ کو پڑھیں
معیارِ زباں ، حُسنِ بیاں ہے اردو
ہے داغؔ کی شیرینئ گفتار یہاں
تہذیب کی اک جوئے رواں ہے اردو
ہے میر تقی میرؔ کا اعجازِ سخن
جس زندہ زباں میں ، وہ زباں ہے اردو
ہے فرض یہ اربابِ نظر کا دیکھیں
پہلے تھی کہاں آج کہاں ہے اردو
تابندہ تھا ، ہے، اور رہے گا برقیؔ
اک گنجِ نہاں اور عیاں ہے اردو

اردو کی شہرۂ آفاق ویب سائٹ ریختہ کی علمی وادبی خدمات پر منظوم تاثرات

ریختہ جس کا بڑا نام ہے کیا عرض کروں
یہ ہمارے لئے انعام ہے کیا عرض کروں

فالِ نیک اس کا ہے اردو کے لئے اپنا وجود
جس کا فیضانِ نظر عام ہے کیا عرض کروں

آپ خود دیکھ لیں کہنے پہ نہ جائیں میرے
وہ بھی اس میں ہے جو گُمنام ہے کیا عرض کروں

میرا مجموعۂ اشعار ہے اس کی زینت
بادۂ شوق کا یہ جام ہے کیا عرض کروں

اپنی میراثِ ادب کرتے ہیں کیسے محفوظ
اِس کا سب کے لئے پیغام ہے کیا عرض کروں

کسی مسلم کو نہ دی اِس کی خدانے توفیق
آپ بھی دیکھ لیں کیا کام ہے کیا عرض کروں

یہ کُتب خانۂ معروف ادب کا برقیؔ
ایسی اک جلوہ گہہِ عام ہے کیا عرض کروں

عہدِ حاضر کی ممتاز اردو ویب سایٹ ریختہ پر منظوم تاثرات

ریختہ ہے ایک گنجِ شایگاں
جس میں ہیں برقی نقوشِ جاوداں
اس کی ہیں سرگرمیاں تاریخ ساز
کیوں نہ ہو یہ مرجعِ دانشوراں
اس کے ادبی کارنامے تا ابد
ہوں سپہرِ علم و فن پر ضوفشاں
گنگا جمنی ہند کی تہذیب کی
ہے یہ ویب سایٹ حقیقی ترجماں
خادمِ اردو زباں ہیں ایس صراف
ہیں جو اس سایٹ کی اک روحِ رواں
اُن کا جو اس میں ہیں سرگرمِ عمل
قایم و دایم رہے عزمِ جواں
کررہی ہے کام یہ تاریخ ساز
جس کا برقیؔ اعظمی ہے قدر داں

اردو ہے امتزاجی روایت کی پاسدار

اردو ہے امتزاجی روایت کی پاسدار
یہ اتحاد فکر و نظر کی ہے یادگار
اردو زباں ہے جملہ زبانوں کا امتزاج
جس کا ادب ہے مظہرِ روداد روزگار
جمہوریت کی آج یہ زندہ مثال ہے
الفاظ ہر زبان کے ہیں اس میں بے شمار
اردو ادب کو جن پہ ہمیشہ رہے گا ناز
سرسید اور حالی تھے وہ فخر روزگار
شعرالعجم ہو شبلی کی یا سیرت النبی
عالم میں انتخاب ہیں اردو کے شاہکار
دنیا پہ آشکار ہے آج اس کی آب و تاب
غالب نے شعر و نثر کو بخشا ہے جو وقار
سوزِ دروں ہے میر کا اک محشرِ خیال
ہے شاعری نظیر کی آشوب روزگار

تھی داغ دہلوی کی زباں سہلِ ممتنع
تھے میر انیس مرثیہ گوئی کے شہریار
اردو ادب میں جس کی نہیں ہے کوئی مثال
اقبال کا کلام ہے وہ در شاہوار
برق اعظمی ہوں ،فیض ہوں ، احمد فراز ہوں
عہدِ رواں میں گلشنِ اردو کی تھے بہار
آزاد ہے یہ مذہب و ملت کی قید سے
ہر جا ملیں گے آپ کو اردو کے جاں نثار
منشی نو ل کشور ہوں یا سرکشن پرساد
طرزِ عمل سے اپنے تھے اردو کے پاسدار
چکبست ہوں ،فراق ہوں ، ملا ہوں یا نسیم
اردو کے جاں نثاروں کی لمبی ہے اک قطار
ہے اقتضائے وقت کہ اردو ہو سرخرو
ماحول آؤ مل کے کریں اس کا سازگار
عہدِ رواں میں اردو ہے اک عالمی زباں
مداح جس کے برقی ہیں دنیا میں بے شمار

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی
خدمات پر منظوم تاثرات

مرجع اہل نظر ہے قومی اردو کونسل
نخلِ دانش کا ثمر ہے قومی اردو کونسل
کرتی ہے محفوظ یہ سرمایہ اردو ادب
بہتر از لعل و گہر ہے قومی اردو کونسل
اس کی بزم آرائیاں ہیں سب کی منظورِ نظر
اک ادارہ معتبر ہے قومی اردو کونسل
اس کی مطبوعات ہیں آئینہ نقد و نظر
ناشر فکر و نظر ہے قومی اردو کونسل
چل رہی ہے ساتھ اپنے وقت کی رفتار کے
کارساز دیدہ ور ہے قومی اردو کونسل
کر رہی ہے زیور تعلیم سے آراستہ
نامدار و نامور ہے قومی اردو کونسل
اردو میں یہ لا رہی ہے ایک ڈیجیٹل انقلاب
سب کی منظورِ نظر ہے قومی اردو کونسل
عہد نو میں ہے یہ برقی ناشر شعر و ادب
چارہ ساز و چارہ گر ہے قومی اردو کونسل